جین نے آبدیدہ ہو کر کہا۔ میں انھیں اپنی ماں سمجھتی ہوں۔ میں شکریے کے ساتھ ان کا یہ تحفہ قبول کرتی ہوں۔ میرے لیے اس مکان کی اینٹیں سونے سے زیادہ قیمتی ہیں۔

انور علی نے کہا۔ اب آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔ ہمیں اجازت دیجیے۔ سردار خاں اب آپ کی خدمت میں رہے گا۔ اگر آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو بلا تکلف ہمارے ہاں پیغام بھیج دیجیے۔

پھر اس نے بلند آواز میں کہا۔ سردار خاں۔ تم اندر کیا کر رہے ہو۔ باہر آؤ!

سردار خاں بھاگتا ہوا کمرے سے باہر نکل آیا۔

انور علی نے کہا۔ تم گھر سے ان کا سارا سامان لے آئے ہو؟

جی ہاں۔ ان کے صندوق میں نے اُوپر کھوا دیے ہیں۔ ایک صندوق کی چابی میرے پاس ہے یہ کہتے ہوئے سردار خاں نے اپنی جیب سے ایک چابی نکالی اور جین کو پیش کر دی۔

جین نے پریشان ہو کر کہا میری چابی میرے پاس ہے۔"

سردار خاں نے کہا جی یہ چابی مجھے بی بی جی نے خود دی تھی وہ کہتی تھیں کہ یہ بڑے صندوق کی ہے۔"

جین نے اس کے ہاتھ سے چابی لے لی۔

انور علی نے سردار خاں کی طرف متوجہ ہو کر کہا آج سے ان کی خدمت تمھارے ذمہ ہے مجھے امید ہے کہ تم اپنے آپ کو ایک اچھا نوکر ثابت کرو گے۔"

جناب مجھ سے آئندہ کوئی غلطی ہو گی سردار خاں نے معذرت طلب لہجے میں کہا مراد علی اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکا اس نے پوچھا اور اس سے پہلے تم نے کیا غلطی کی

ہے۔“

کچھ نہیں جناب! سردار خاں نے اپنی پریشانی پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا انور اور مراد کو رخصت کرنے کے بعد جین اور لیگرانڈ مکان کے کمروں کا معائنہ کر رہے تھے نچلی منزل کے پانچ کمرے ضروری سازو سامان سے آراستہ تھے بالائی منزل کے دونوں کمروں میں خوب صورت قالین اور پلنگ سجے ہوئے تھے۔

ایک کمرہ دیکھنے کے بعد دوسرے کمرے میں داخل ہوئے تو جین نے ایک لکڑی کے صندوق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا یہ صندوق میرے خیال میں نوکر غلطی سے اٹھا لائے ہیں،

لیگرانڈ نے کہا اتنا بڑا صندوق غلطی سے یہاں نہیں آسکتا میرے خیال میں اسی صندوق کی چابی تمھیں دی گئی ہے۔“

جین نے آگے بڑھ کر صندوق کا تالا کھولا اور لیگرانڈ نے اس کا بھاری ڈھکنا اُوپر اٹھا دیا صندوق ریشمی کپڑوں سے بھرا ہوا تھا۔“

لیگرانڈ نے ایک جوڑا نکال کر پلنگ پر پھیلاتے ہوئے کہا جین دیکھو یہ تو کسی فرانسیسی درزی کے ہاتھ کا سلا ہو معلوم ہوتا ہے۔“

جین نے جواب دیا ان کے درزی کو میرے کپڑوں کا ناپ معلوم تھا لیکن مجھے ان کے ساتھ رہتے ہوئے بھی یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ کپڑے کس وقت تیار ہو کر آئے اور مجھے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ وہ ہمارے مکان کے لیے اتنے تحائف جمع کیے جا رہے ہیں لیگرانڈ خدا کے لیے صندوق بند کر دو میں یہ برداشت نہیں کر سکتی میں اتنے بڑے احسان کی مستحق نہ تھی کاش میں ان کی بیٹی ہوتی! جین کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب پھوٹ نکلا۔

لیگرانڈ نے پریشان ہو کر کہا جین مجھے یقین ہے کہ نور اور مراد تمھیں اپنی بہن اور ان کی والدہ تمھیں اپنی بیٹی سے کم نہیں سمجھتیں۔"

"لیکن میرے لیے یہ ناقابل برداشت ہے کاش میرے ساتھ یہ لوگ وہی برتاؤ کرتے جو ایک دوسرے اجنبی کے ساتھ کرتا ہے۔

دسواں باب

نظام اور مرہٹون کی متحدہ طاقت کے خلاف سلطان ٹیپو کی فتح کوئی معمولی کارنامہ نہ تھی۔ انگریزوں کی طرح پانڈی چری کی فرانسیسی حکومت کو بھی اس بات کی قطعاً امید نہ تھی کہ سلطان اس جنگ سے سرخرو ہو کر نکلے گا۔ سلطان کو اس جنگ میں فرانس سے عملی اعانت کی توقع تھی لیکن فرانسیسی نوآبادیات کی حکومت نے انگریزوں کے ساتھ معاہدہ وارسیلز کی آڑ لے کر اس جنگ میں ایک فریق بننے سے انکار کر دیا تھا۔

معاہدہ وارسیلز کی ایک اہم شرط یہ تھی کہ انگریز اور فرانسیسی ہندوستان کے حکمرانوں کی جنگوں میں الگ تھلگ رہیں گے۔ لیکن فرانسیسیوں کی پہلو تہی کی اصل وجہ صرف یہ معاہدہ نہ تھا۔ وہ اس حقیقت سے بے خبر نہ تھے کہ نظام اور مرہٹوں نے انگریزوں کی شہ پر جنگ شروع کی ہے اور جب وہ اس جنگ میں حصہ لینا اپنے لیے سودمند خیال کریں گے تو معاہدہ وارسیلز کی حیثیت اُن کے لیے کاغذ کے ایک پُرزے سے زیادہ نہ ہوگی۔ ان کی پہلو تہی کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ سلطان ٹیپو کو اس جنگ میں ایک کمزور فریق سمجھتے تھے۔ اور انھیں اس بات کا یقین ہو چکا تھا کہ سلطان زیادہ دیر نظام اور مرہٹوں کی متحدہ طاقت کا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔ اور اگر انگریز بھی میدان میں آ گئے پھر تو وہ سلطان ک حلیف بن کر اپنے لیے کبھی کوئی اچھا نتیجہ پیدا نہیں کر سکیں گے۔ چنانچہ پانڈی چری کے فرانسیسی گورنر موسیو کاسگنی کی پہلی کوشش یہ تھی کہ پُونا اور حیدر آباد کی حکومتوں کو سلطان کے خلاف جنگ شروع کرنے سے باز رکھا جائے اور جب یہ کوشش بارآور نہ ہوئی تو اس کی دوسری کوشش یہ تھی کہ فرانس سلطان ٹیپو کی بجائے مرہٹوں کے ساتھ اتحاد کرے کیونکہ مرہٹوں کو سلطان کی

نسبت وہ وزرخیال کرتے تھے۔ اور انھیں ایک کمزور دوست کی حمایت کے لیا ایک طاقت ور دشمن سے ٹکر لینا منظور نہ تھا۔

چنانچہ پانڈی کی حکومت کا ایک خاص نمائندہ مرہٹوں کے ساتھ دوستی کا پیغام لے کر جنگ کے آغاز سے چند ماہ بعد پیشوا کے پاس پہنچا لیکن پونا کے دربار میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے ایجنٹ سر چارلس میلٹ کے اثر ورسوخ کے باعث اُسے کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ فرانسیسیوں کی اس ناکامی کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ نانا فرنویس ان کی دوستی کی بجائے انگریزوں کی دوستی پر زیادہ اعتماد کرتا تھا۔ اور اسے اس بات کا یقین تھا کہ انگریز زُود یا بدیر جنگ میں ضرور شامل ہو جائیں گے۔

پانڈی چری کی حکومت کے اس طرزِ عمل کی وجہ سے جنگ کے دوران میں صرف اُن فرانسیسی اور دوسرے یورپین سپاہیوں نے سلطان کا ستھ دیا تھا جو میسور کی فوج کی باقاعدہ ملازمت اختیار کر چکے تھے۔

مرہٹوں اور نظام کے خلاف ایک شاندار فتح حاصل کرنے کے باوجود سلطان ٹیپو میسور کے مستقبل کے متعلق مطمئن نہ تھا۔ ایک خطرناک آندھی گزر چکی تھی لیکن وہ ایک حقیقت پسند انسان کی طرح مستقبل کے اُفق پر نئی آندھی کے آثار دیکھ رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ میر نظام علی اور نانا فرنویس کی نکیل انگریز کے ہاتھ میں ہے اور وہ جب چاہیں گے انھیں دوبارہ میسور کے خلاف میدان میں لے آئیں گے۔ اور وہ یہ بھی محسوس کرتا تھا کہ میسور تنہا اپنے وسائل سے ایک لاانتہاہی عرصہ کے لیے جنگ جاری نہیں رکھ سکتا اور انگریز مرہٹوں یا نظام کی طرح اسے بھی ایک ایسے طاقت ور حلیف کی ضرورت ہے جس کی دوستی پر اعتماد کیا جا سکے۔ انگریز اسے جنوبی ہند کے دفاعی حصار کا رکا مرکزی ستون سمجھ کر اپنا دشمن نمبر ایک قرار دے چکے تھے۔

فرانسیسیوں کے متعلق بھی اسے کوئی غلط فہمی نہ تھی تاہم ہندوستان میں فرانس اور برطانیہ کے مفاد ایک دوسرے سے متصادم تھے اور سلطان آئندہ معرکوں میں انگریز کے خلاف فرانسیسیوں کے تعاون کے امکانات سے مایوس نہ تھا چنانچہ گزشتہ جنگ کے آخری ایام میں ہی وہ فرانسیسی حکومت کے ساتھ براہِ راست بات چیت کرنے کے لیے ایک سفارت پیرس روانہ کر چکا تھا۔

جنگ سے فارغ ہونے کے بعد سلطان ٹیپو کے لیے تعمیری اور اصلاحی کام کرنے کا پُرامن دور بہت مختصر تھا جب وہ مرہٹوں اور نظام کے ساتھ برسرِ پیکار تھا انگریزوں نے مالابار کے نائروں اور موپلوں کو بغاوت پر اکسا کر اس کے لیے ایک نیا محاذ کھولنے کی کوشش کی تھی ٹراونکور کا راجہ انگریزوں کا آلہ کار بن کر اُن باغیوں کی حوصلہ افزائی کر رہا تھا لیکن انگریزوں کی توقع کے خلاف جنگ کے قبل از وقت ختم ہو جانے کے باعث یہ سازش نتیجہ ثابت نہ ہوئی اور میسور کی فوج کے چند دستوں نے کسی دِقت کا سامنا کیے بغیر باغیوں کو مغلوب کر لیا باغیوں کے کچھ رہنما گرفتار کر لیے گئے اور کچھ ٹراونکور بھاگ گئے۔

سلطان نے ٹراوکور کے راجہ کو باغیوں کو پناہ دینے اور ان کی حوصلہ افزائی کرنے سے منع کیا لیکن راجہ نے انگریزوں کی اعانت کے بھروسے پر میسور کے خلاف اپنی معاندانہ سرگرمیاں پہلے سے زیادہ تیز کر دیں ٹراونکو کا راجہ انگریزوں کا حلیف تھا اور سلطان ٹیپو کے خلاف اس کی جارحیت کا مقصد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے لیے ایسے سازگار حالات پیدا کر دیے جائیں کہ وہ مُعاہدہ منگلور کی خلاف ورزی کر کے سلطان کے خلاف ایک نئی جنگ کی ابتدا کر سکے۔



گزشتہ چند برس کے واقعات سے یہ تلخ حقیقت بار بار ہم پر واضح ہو چکی ہے کہ ہم سلطان ٹیپو کی قوت مدافعت کا خاتمہ کیے بغیر ہندوستان میں پاؤں نہیں پھیلا سکتے حیدر علی اور ٹیپو کے ہاتھوں ہماری بدترین شکستیں اس بات کا کھلا ثبوت ہیں کہ ملک کا سب سے مضبوط قلعہ ہے اب نظام اور مرہٹوں کی متحدہ طاقت کو روندنے کے بعد ٹیپو کے حوصلے بہت بڑھ گئے ہیں اس کے سفیر پیرس اور قسطنطنیہ پہنچ چکے ہیں نظام اور مرہٹہ حکمرانوں کی سلطنتوں میں بھی ایسے لوگ پیدا ہو چکے ہیں جو ٹیپو کو ہندوستان کی آزادی کا محافظ خیال کرتے ہیں امریکہ کی نوآبادیات کھو بیٹھنے کے بعد ہم اس کے ملک کے وسیع علاقوں پر قبضہ کرکے اپنے نقصانات پورے کر سکتے ہیں لیکن اگر ہم یہ نہیں چاہتے کہ ہمارے لیے یہاں بھی ایک اور جارج واشنگٹن پیدا ہو جائے تو ہمیں سلطان ٹیپو کو زیادہ مہلت نہیں دینی چاہیے۔ اگر ہم اسے شکست نہ دے سکے تو ہندوستان میں ہم نے اب تک جو کچھ حاصل کیا ہے وہ ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ یہاں ہمارے لیے تاجروں کی حیثیت میں بھی کوئی جگہ نہیں ہو گی۔

ٹیپو ہر میدان میں ہمارا حریف ہے۔ وہ صنعت و حرفت اور تجارت کی اہمیت جانتا ہے۔ ہندوستان کی منڈیوں میں میسور کی مصنوعات کی مانگ بڑھ رہی ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ اگر سلطان ٹیپو کو چند برس امن سے کام کرنے کا موقع مل گیا تو میسور صنعت اور تجارت میں ہم سے آگے نکل جائے گا۔ اس وقت بھی یہ حالت ہے کہ یہاں کی بعض مصنوعات مثلاً کپڑا اور شیشے کے برتن یورپ کے بہترین کارخانوں کی مصنوعات کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔

اب تک ہندوستان میں ہماری کامیابیوں کی بڑی وجہ ہماری بحری قوت تھی لیکن سلطان ٹیپو پہلا شخص ہے جس نے ہندوستان کی اس کمزوری کا صحیح احساس کیا

ہے۔ اس وقت میسور کی مختلف گودیوں میں ہزاروں آدمی تجارتی اور جنگی جہاز بنا نے میں مصروف ہیں اور مجھے ڈر ہے کہ سلطان ٹیپو کو ایک نا قابل تسخیر بحری قوت کا مالک بننے میں زیادہ عرصہ نہیں لگے گا۔ جہاز بنانے کے لیے جس لکڑی کی ضرورت ہے وہ میسور کے جنگلات میں بکثرت موجود ہے اور میسور کا محنت کش۔ طبقہ سلطان کے حکم پر جان دیتا ہے۔ میسور کے عوام کی خوشحالی اور ترقی نے ہندوستان کی دوسری ریاستوں کے حوام کو سلطان کی طرف متوجہ کر دیا ہے اور اگر ہم چند سال جنگ سے پہلو تہی کرتے رہے تو اس بات کے امکانات موجود ہیں کہ ہمیں سلطان ٹیپو کے جھنڈے تلے نہ صرف میسور بلکہ پورے ہندوستان کی قوت مدافعت کا سامنا کرے گا۔

ہمیں میسور کے حکمران کو وہ خلا پر کرنے کا موقع نہیں دینا چاہیے جو سلطنت مغلیہ کے زوال کے باعث پیدا ہو چکا ہے۔ ہمارے لیے اس وقت دو ہی راستے ہیں۔ ایک یہ کہ امریکہ کی طرح ہندوستان سے بھی اپنے پاؤں نکال لیں اور دوسرا یہ کہ ہم کسی تاخیر کے بغیر میسور پر چڑھائی کر دیں مجھے اس بات کا اعتاف ہے کہ ہم تنہا اپنی قوت سے سلطان کا مقابلہ نہیں کر سکتے لیکن میں پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اگر ہم نظام اور مرہٹوں کو اس بات کا یقین دلا دیں کہ اس مرتبہ ہم پیچھے نہیں رہیں گے تو وہ ہمارا ساتھ دیں گے۔ کمپنی جنگ کے اخراجات سے ڈرتی ہے لیکن میں کمپنی کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ صرف کالی کٹ، کتانور اور منگلور کی بندرگاہوں کی قیمت ہمارے جنگ کے تمام اخراجات سے زیادہ ہو گی اور صرف مالابار سے گرم مسالے اور صندل اور ساگوان کی لکڑی کی تجارت پر اپنی اجارہ داری قائم کر کے ہمیں اتنا نفع ہو گا کہ ہم امریکہ میں اپنے سابقہ نقصانات کے بھول جائینگے۔

نظام اور مرہٹوں کے ساتھ گزشتہ جنگ میں شدید نقصانات کے باعث

سلطان کی طاقت کافی کمزور ہو چکی ہے۔ ہماری خوش قسمتی ہے کہ یہ لوگ ٹیپو کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔لیکن ہماری دوستی اور اعانت سے مایوس ہونے کے بعد یقیناً سلطان ٹیپو کے ساتھ اپنے تعلقات بہتر بنانے کی کوشش کریں گے اور جب سلطان ٹیپو اُن کی طرف سے مطمئن ہو جائے گا تو ہمیں اس ملک سے نکالنے کے لیے اسے جنگ لڑنے کی ضرورت پیش آئے گی۔اس لیے ہمیں ہندوستان میں انگریزوں کے مستقبل سے آنکھیں بند کرنے کے لیے معاہدہ وارسیلز کا سہارا نہیں لینا چاہیے۔

یہ وہ دلائل تھے جن کی بدولت لارڈ کارنولس ایسٹ انڈیا کمپنی اور حکومت برطانیہ کو اپنا ہم خیال بنانے کے بعد جنگ کی تیاریوں کی اجازت حاصل کر چکا تھا۔ چنانچہ ۱۷۸۷ء کے اواخر میں پونا، ناگپور، گوالیار اور حیدر آباد میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے سفیروں کو لارڈ کارنولس کی طرف سے یہ ہدایات موصول ہو چکی کہ ہم جنگ کے لیے تیار ہیں۔ اب وقت آ گیا ہے کہ نظام اور مرہٹہ حکمرانوں کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے ساتھ دفاعی اور جارحانہ معاہدے کرنے پر آمادہ کیا جائے۔☆

نانا فرنویس اور مادھوجی بھونسلے کو لارڈ نولس مے اپنے ذاتی خطوط میں یہ لکھ اتھا کہ اب اگر سلطان ٹیپو سے اپنی سابقہ شکستوں کا انتقام لینا چاہتے ہیں تو وہ، آپ کے ساتھ ہیں۔ ایسٹ انڈیا کمپنی آپ کے ساتھ یہ معاہدہ کرنے کے لیے تیار ہے کہ وہ اپنے اتحادیوں سے بالا بالا ٹیپو کے ساتھ صلح کرنے کی کوشش نہیں کرے گی اور دریائے کرشن اا ور تنگھدرہ کے درمیان مرہٹوں کے جو علاقے معسور نے چھین لیے ہیں وہ انھیں واپس دلائے جائیں گے۔''

لارڈ کارنولس نے دوسرے مرہٹہ راجوں ک طرح ہلکر کو ھی یہ پیغام بھیجا تھا کہ آپ اپنے ہنذ ودھرم کی لاج رکھنے کے لیے دوسرے مرہٹہ حکمرانون کا ساتھ

دیں اور پانا کی حکومت کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے ساتھ معاہدہ کرنے پر آمادہ کرنے کے لیے اپنے اثر و رسوخ سے کام لیں۔

لیکن ہلکر کا جواب بہت حوصلہ شکن تھا۔ اس نے نہ صرف سلطان کے خلاف کمپنی کا حلیف بننے سے انکار کر دیا' بلکہ نظام اور مرہٹہ راجوں کو بھی ٹیپو کے خلاف محاذ بنانے سے روکنے کی کوشش کی اور اُن پر زور دیا کہ اگر انھیں ہندوستان کی آزادی عزیز ہے تو وہ انگریزوں کے بجائے سلطان ٹیپو کا ساتھ دیں اور جب پانا اور حیدر آباد کی حکومتوں اس کی نصیحت بے اثر ثابت ہوئی تو اس نے یہ دھمکی دی کہ میں تمھاری بجائے سلطان ٹیپو کا ساتھ دُوں گا۔

انگریزوں کی طرح نانا فرنویس اور میر نظام علی خاں بھی سلطنتِ میسور کو اپنے اقدار کے لیے ایک بڑا خطرہ سمجھتے تھے لیکن گزشتہ جنگ میں انگریزوں کی علیحدگی کے باعث انھوں نے جو نقصانات اُٹھائے تھے ان کے پیشِ نظر وہ دوبارہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے وعدوں پر اعتبار کر کے جنگ کی آگ میں کودنے سے ڈرتے تھے۔ اور پھر جب چند ماہ کی سر توڑ کوششوں کے بعد پونا اور حیدر آباد میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے ایجنٹ ان کے خدشات دُور کر چکے تھے تو لارڈ کارنوالس ان کے ساتھ معاہدے کی شرائط طے کرنے میں سخت الجھنوں کا سامنا کر رہا تھا میر نظام علی اور نانا فرنولس دونوں جنگ میں اپنے اشتراک کی زیادہ قیمت وصول کرنے پر مصر تھے اور لارڈ کارنوالس کسی ایک فریق کو خوش کرنے کے لیے دوسرے فریق کی ناراضی کا خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہ تھا فرنویس نے اس سودا بازی میں اپنی قیمت بڑھانے کے لیے ایک طرف یہ تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی کہ اگر اس کے مطالبات نہ جانے گئے تو وہ انگریزوں کے خلاف سلطان ٹیپو کے ساتھ معاہدہ کر لے گا اور دوسری

طرف انڈیا کمپنی کو یہ اطمینان د:اہالپ معاہدے کی جو شرائط مرہٹوں کے لیے قابل قبول ہوں گی وہ میر نظام علی کو بہر حال تسلیم کرنی پڑیں گی۔



میر نظام علی کے دربار میں معاہدے کی شرائط پر بحث ہو رہی تھی نظام کا ایک ہوشیار وزیر میر عالم جسے دکن میں انگریزوں کا سب سے بڑا طرف سمجھا جاتا تھا اسے یہ سمجھانے کے لیے اپنا پورا زور خطابت صرف کر چکا تھا کہ نانا فرنویس نے انگریزوں کے ساتھ معاہدے کی شرائط طے کرنے میں دکن کے مفاد کا پورا خیال دکھا ہے وہ کہہ رہا تھا۔ ''عالیجاہ! اس جنگ میں ٹیپو کی شکست یقینی ہے انگریز اسے ہمیشہ کے لیے ختم کرنے کا فیصلہ کر چکے ہیں اس مرتبہ وہ زبردست تیاریوں کے ساتھ میدان میں آرہے ہیں اور لارڈ کارنوالیس نے جو افواج جمع کی ہیں وہ اس سے پہلے کبھی ہندوستان میں نہیں دیکھی گئیں مرہٹے ان کا ساتھ دینے کا فیصلہ کر چکے ہیں تنہا ہلکر کی کنارہ کشی سے کوئی فرق نہیں پڑے گا ہمارے لیے اب صرف یہ مسئلہ قابل غور ہے کہ ٹیپو کی شکست کے بعد میسور کے مال غنیمت میں ہمارا حصہ کیا ہوگا ہم جنگ سے الگ رہ کر مرہٹوں اور انگریزوں کی ناراضگی مول نہیں لے سکتے اور ہمارے لیے یہ بھی ممکن نہیں کہ ہم ٹیپو کے ساتھ شامل ہو جائیں اگر حضور کو اس معاہدے کی کسی شرط پر اعتراض ہے تو اس میں ردوبدل کیا جا سکتا ہے مسٹر کیناوے نے مجھے یہ اطمینان دلایا ہے کہ حضور کے دل میں اس معاہدے کی بابت کوئی غلط فہمی پیدا ہو گئی ہو تو اسے دور کرنے کی پوری کوشش کی جائے گی۔

میں حضور کی اطلاع کے لیے یہ عرض کر دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ اس جنگ میں ٹیپو کو صرف دین پونا اور انگریز کی افواج کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا بلکہ

جنگ شروع ہوتے ہی اس کے خلاف چاروں اطراف سے ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوگا۔ کرناٹک کا محمد علی والا جاہ، کورگ، ٹراونکور، کوچین کے ہندو راجے اور مالابار کے پالیگار لارڈ کارنوالس کا اشارہ پاتے ہی سلطان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے۔ پھر سلطان کی شکست کے آثار دیکھتے ہی میسور کی ہندو اکثریت وہاں کے سابق راجہ کے خاندان کو واپس لانے کی کوشش کرے گی اس کے علاوہ ہمیں صورت نہیں بھولنا چاہیے کہ ہم جنگ سے الگ رہیں تو بھی ٹیپو کی شکست یقینی ہے۔"

میرا عالم کی تقریر کے بعد حاضرین دربار کچھ دیر خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے، بالآخر میر نظام علی کے محافظ دستوں کا سالار اور دکن کا ایک بہت بڑا جاگیر دار نواب شمس الامراء اٹھا اور اس نے کہا۔ "عالیجاہ! میرا عالم گزشتہ جنگ میں بھی یہی کہتے تھے کہ ٹیپو کی شکست یقینی ہے اس لیے ہمیں مرہٹوں کا ساتھ ضرور دینا چاہیے۔ اور میں اس وقت بھی یہ کہتا تھا کہ ہمیں ایسے شخص کی ساتھ نہیں الجھنا چاہیے جسے ہم آسانی سے اپنا دوست بنا سکتے ہیں اور یہ حقیقت بار بار ثابت ہو چکی ہے کہ ہم نے جب بھی سلطان ٹیپو کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا ہے اس نے شرافت کا ثبوت دیا ہے لیکن اگر ہم اس اُمید پر اس جنگ میں شریک ہونا چاہتے ہیں کہ سلطان ٹیپو کو آسانی سے شکست دی جاسکتی ہے تو بھی اس معاہدے میں چند باتیں ایسی ہیں جن پر ہمیں ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیے۔

میرا پہلا اعتراض یہ ہے کہ ہم مرہٹوں کے اجیر نہیں اور نانا فرنویس کو ہماری طرف سے انگریزوں کے ساتھ معاہدے کی شرائط طے کرنے کا کوئی حق نہ تھا۔

میرا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ یہ معاہدہ صرف ٹیپو کے خلاف ہے اس معاہدے میں ہم سے یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ ہم میسور کے خلاف جنگ میں انگریزوں اور

مرہٹوں کا ساتھ دیں لیکن اس امر کی کوئی ضمانت نہیں دی گئی کہ اگر جنگ کے اختتام پر اس معاہدے کا کوئی فریق ہم پر حملہ کر دے تو دوسرا فریق ہماری مدد کرے گا۔ بالخصوص مرہٹوں کا سابقہ کردار ایسا نہیں کہ ان کے کسی وعدے پر اعتماد کیا جا سکے۔ میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ اگر وہ میسور سے نپٹنے کے بعد ہم پر حملہ کر دیں تو انگریز ہماری کیا مدد کریں گے۔ میں ٹیپو کے طرف دار کی حیثیت سے نہیں بلکہ سلطنتِ دکن کے ایک بہی خواہ کی حیثیت سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اس معاہدے میں ہمارے تحفظ کی کیا ضمانت ہے؟"

اس کے بعد ایک سوال اور ہمارے سامنے آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب میسور کے خلاف جنگ میں حصہ لینے کے لیے ہماری فوج مرہٹوں کے برابر ہر گی تو پھر کیا وجہ ہے کہ مرہٹے مالِ غنیمت میں میسور کے ایک تہائی حصہ کے علاوہ پچاس لاکھ روپیہ زیادہ وصول کرنا چاہتے ہیں۔ اگر آج انگریز اس معاہدے کی شرائط طے کرتے وقت مرہٹوں کو ایک ترجیحی سلوک کا حق دار سمجھتے ہیں تو اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ جنگ کے اختتام پر وہ ہمیں کسی بہتر سلوک کا مستحق سمجھیں گے۔

نانا فرنویس کا سابقہ کردار ہماری نگاہوں سے پوشیدہ نہیں اور ذاتی طور پر مجھے انگریزوں کے متعلق بھی کوئی خوش فہمی نہیں۔ عالیجاہ! آپ میرے اس اندیشے کو بے بنیاد نہ سمجھیں کہ اگر میسور کو تقسیم کرنے کے بعد انگریزوں اور مرہٹوں نے اپنی سلطنتوں کو مزید وسعت دینے کے لیے دکن پر حملہ کر دیا تو ہم ٹیپو سے بھی زیادہ بے بس ہوں گے۔ آج ہمارے لیے یہ موقع ہے کہ ہم سلطان ٹیپو کو اپنا ایک طاقت ور حلیف بنا سکیں۔ وہ ہر وقت ہمارے ساتھ ایک آبرومندانہ سمجھوتے کے لیے تیار ہے۔ میں جب جنوبی ہندوستان کے مسلمانوں کے مستقبل کے متعلق سوچتا ہوں تو

مجھے اس کے سوا کوئی راستہ نظر نہیں آتا کہ ہم انگریزوں یا مرہٹوں کی بجائے سلطان ٹیپو کے ساتھ اپنا مستقبل وابستہ کرنے کی کوشش کریں۔ وہ خوشی سے ہمارے ساتھ ایک ایسا سمجھوتہ کرنے کے لیے تیار ہوگا جس کی شرائط میسور اور دکن کے لیے یکساں تسلی بخش ہوں۔

عالیجاہ! آج دکن اور میسور کے اتحاد سے جنگ کے امکانات ختم ہو سکتے ہیں۔ اور اگر ہم ایک مسلمان حکمران کا ساتھ نہیں دے سکتے تو بھی یہ ضروری نہیں کہ ہم انگریزوں یا مرہٹوں کا ساتھ دے کر جنوبی ہندوستان میں اس جنگ کے دروازے کھول دیں۔ جو ہماری اپنی آزادی اور بقا کے لیے خطرہ پیدا کر سکتی ہے۔''

میر عالم نے کہا۔ ''عالیجاہ! میں شمس الامراء کے خلوص اور نیک نیتی پر حملہ نہیں کرتا۔ مجھے ڈر ہے کہ وہ ٹیپو کے متعلق بہت زیادہ حسنِ ظن سے کام لے رہے ہیں۔ اگر ہم جنگ سے علیحدہ ہو جائیں تو اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ ٹیپو ہمارے خلاف انگریزوں یا مرہٹوں کے ساتھ معاہدہ کرنے کی کوشش نہیں کرے گا۔''

نظام کا بھتیجا امتیاز الدولہ اچانک اُٹھ کھڑا ہوگیا اور اس نے انتہائی غصے کی حالت میں کہا۔ ''عالی جاہ! کوئی دیانت دار آدمی سلطان ٹیپو کے متعلق اس قسم کے شبہات ظاہر نہیں کر سکتا۔ اگر وہ انگریزوں کے اتحاد کا روادار ہو سکتا تو یہ ممکن نہ تھا کہ اس وقت جنوبی ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی اور میسور کے سوا کوئی تیسری طاقت بھی ہوتی۔ انگریز اسے صرف اس لیے مٹانا چاہتے ہیں کہ وہ ان کے ساتھ ہندوستان کی عزت اور آزادی کا سودا کرنے کے لیے تیار نہیں۔ ہم میسور کے مستقبل سے آنکھیں بند کر سکتے ہیں لیکن اپنے مستقبل سے آنکھیں بند نہیں کر سکتے۔ عالیجاہ! اگر آپ اجازت دیں تو میں سلطان ٹیپو کے ساتھ انتہائی آبرومندانہ شرائط طے کر

نے کا ذمہ لیتا ہوں۔

میر نظام علی نے کہا۔ ہم لارڈ کارنوالس اور رنانا فرنویس کے دوست ہیں نہ سلطان ٹیپو کے دشمن۔ ٹیپو بہر حال ایک مسلمان ہے اور اگر تم اس کے ساتھ کوئی آبرومندانہ معاہدہ کرسکتے ہو تو ہماری دُعائیں تمھارے ساتھ ہیں۔

امتیاز الدولہ نے کہا۔ عالی جاہ! اگر اجازت ہو تو میں خود سرنگاپٹم جانے کے لیے تیار ہوں۔

نہیں ابھی تمہارا جانا ٹھیک نہیں۔

شمس الامرا نے کہا۔ عالیجاہ تو مجھے اجازت دیجیے۔

نہیں، تمھارا یہ منصب نہیں کہ تم ایک ایلچی بن کر ٹیپو کے دربار میں جاؤ۔ ہم یہ مہم حافظ فرید ادین کے سپرد کرنا چاہتے ہیں۔ یہ کہہ کر نظام اپنی مسند سے اٹھا اور عقب کے کمرے میں چلا گیا۔

اسی روز سہ پہر کے وقت محل کے ایک اور کمرے میں مشیر الملک اور میر عالم، نظام علی کے ساتھ باتیں کر رہے تھے۔ میر نظام علی کہہ رہا تھا۔ میر عالم تمھیں اس قدر پریشان نہیں ہونا چاہیے، موجودہ حالات میں ہمارے لیے ٹیپو کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانا ضروری ہے۔

عالی جاہ! اگر آپ یہ محسوس کرتے ہیں کہ اس بات میں دکن کا فائدہ ہے تو میرے لیے پریشان ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

میر نظام علی مسکرایا۔ دکن کا فائدہ اس بات میں ہے کہ ہم انگریزوں اور مرہٹوں کے ساتھ مساوی حیثیت میں معاہدہ کریں۔ مرہٹوں نے ٹیپو کے ساتھ تعاون کرنے کی دھمکی دے کر لارڈ کارنوالس کے سامنے اپنی قیمت بڑھائی ہے اور مجھے

اپنی پوری قیمت وصول کر سکیں گے ۔مشیر الملک نے پریشان ہوکر کہا۔ تو عالیجاہ۔ آپ کا مطلب یہ ہے کہ آپ ٹیپو کے ساتھ معاہدہ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے ہیں۔

تم بالکل نادان ہو۔ میر اعالم! کل صبح کلکتے روانہ ہوجاؤ اور لارڈ کارنوالس کو یہ سمجھاؤ کہ مُعاملہ بگڑ رہا ہے۔،،

میر عالم نے کہا۔'' عالی جاہ! مجھے یقین ہے کہ لارڈ نوالس آپ کی تمام شرائط ماننے پر آمادہ ہو جائے گا۔ میں حضور کی خدمت میں حاضر ہونے سے پہلے کینا وے سے ملا تھا۔ وہ بہت پریشان تھا۔وہ کہتا تھا کہ اگر حضور ٹیپو کے ساتھ مصالحت کا ارادہ تبدیل کردیں تو لارڈ کارنوالس آپ کے ساتھ ایک علیحدہ معاہدہ کرنے کے لیے آمادہ ہو جائیں گے اور ممکن ہے کہ کمپنی مال غنیمت سے مرہٹوں کو جو زائد رقم دینے کا وعدہ کرچکی ہے اُس کے بدلے حضور کو اپنے حصے سے ایک معقول رقم دینے کے لیے تیار ہو جائے۔''

نظام مسکرایا۔'' تم سفر کی تیاری کرو اور مجھے یقین ہے کہ جب تم کلکتہ جاؤ گے تو کارنوالس کو کیناوے سے کم پریشان نہیں پاؤ گے''::

حافظ فریدین سرنگاپٹم سے نہایت حوصلہ افزا پیغام لے کر واپس آیا۔ سُلطان ٹیپو ایک مسلمان حکمران سے رواداری کا ثبوت دینے کے لیے نہ صرف میر نظام علی کے مفتوحہ علاقے واپس دینے پر آمادہ تھا بلکہ اس نے دکن اور میسور کے دوستانہ تعلقات مستحکم کرنے کے لیے میر نظام علی کی بیٹی اور اپنے بیٹے کے رشتہ ازدواج میں منسلک کرنے کی تھی۔ دکن کے اسلام پسند حلقے انتہائی مسرت کے ساتھ ان مصالحانہ کوششوں کا خیر مقدم کر رہے تھے۔شمس الامراء امتیاز الدولہ اور اُن کے ہم

خیال میر نظام علی پر زور ڈال رہے تھے کہ اُسے کسی تاخیر کے بغیر سلطان ٹیپو کے ساتھ ادوستانہ معاہدہ کر لینا چاہیے۔ دوسری طرف حیدر آباد میں پونا اور کمپنی کے سیفر نانا فرنویس اور لارڈ کارنوالس کی ہکایات کے مُچابق مصالحت کی اُن کوششوں کو ناکام بنانے کی ہر ممکن کوشش کر رہے

تھے۔ حیدر آباد میں ان ابنائے وقت کی کمی نہ تھی جو اپنا مستقبل انگریزوں اور مرہٹوں کے ساتھ وابستہ کر چکے تھے۔ سرجان کیناوے سونے اور جواہرات سے اُن کے ضمیر خرید چکا تھا۔ اور ان کے ساتھ اس قسم کے وعدے کیے جا رہے تھے کہ جب میسور فتح ہوگا تو تمہیں وہاں بڑی بڑی جاگیریں عطا کی جائیں گی۔ حیدر آباد میں شاہی خاندان کی بعض نگمیات سے ربطہ پیدا کر چکے تھے۔ چنانچہ رشوتوں نذرانوں اور تحفوں کے زہریلے اثرات میر نظام علی کے حرم تک پہنچ چکے تھے۔

''ٹیپو ہم سے برابری کا دعویٰ کرتا ہے۔ ٹیپو نے نظام الملک اور اپنے خاندان کے درمیان رشتے کی تجویز پیش کر کے ہماری توہین کی ہے۔ دکن کی شہزادیاں اس کے بیٹوں کے ساتھ زندگی گزارنے کی بجائے زہر کھا کر مر جانے کو ترجیح دیں گی۔'' اُونچے طبقے کی خواتین کے مُنھ سے اس قسم کی باتیں ایک عام آدمی کو بھی مشتول کر دینے کے لیے کافی تھیں۔ لیکن میر نظام علی اپنی تمام برائیوں کے باوجود ایک جذباتی انسان نہ تھا۔ سیاست اس کیلیے ایک شطرنج کا کھیل تھا۔ اور وہ کسی مُہرے پر ہاتھ رکھنے سے پہلے سو بار سوچنے کا عادی تھا، ٹیپو کے ساتھ اس کے سابقہ اختلافات کسی جذباتی ہیجان کا نتیجہ نہ تھے بلکہ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ وہ اپنے ذاتی مفاد کے لیے انگریزوں اور مرہٹوں کا ساتھ دینا بہتر سمجھتا تھا۔ اگر وہ ٹیپو کے ساتھ ناطہ جوڑنے میں اپنا مفاد دیکھتا تو اُسے تمام دنیا کے طعنوں کی پروا نہ ہوتی۔ لیکن وہ سُلطان ٹیپو کا

دوست بن کر اپنے چند کھوئے ہوئے علاقے واپس لینے کی بجائے انگریزوں اور مرہٹوں کا ساتھ دے کر میسور کی سلطنت کا تیسرا حصہ حاصل کرنا اپنے لیے زیادہ سُود مند سمجھتا تھا۔ سلطان ٹیپو کے ساتھ دوستانہ بات چیت اس کے نزدیک لارڈ جارنوالس اور نانا فرنویس کی نظروں میں اپنی قیمت بڑھانے کے لیے ایک کامیاب چال تھی۔ ورنہ وہ ابتدا سے ہی انگریزوں اور مرہٹوں کا ساتھ دینے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ تاہم سطان ٹیپو کو دوٹوک جواب دینے کی بجاے وہ کلکتہ میں لارڈ کارنوالس کے ساتھ میر عالم کی بات چیت کا نتیجہ ظاہر ہونے تک سلطان کے ساتھ نامہ و پیام کا سلسلہ جاری رکھنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے چندون غور وفکر کے بعد حافظ فرید الدین کو معاعدے کے لیے جوابی تجاویز دے کر سلطان کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ میر نظام کے اس اقدام پر حیدر آباد میں سلطان ٹیپو کے حامی جس قدر خوش تھے اسی قدر انگرویزں اور مرہٹوں کے حامی پریشان اور مغموم تھے۔



ایک صبح سپہ سالار برُہان الدین اپنے دفتر میں بیٹھا کچھ لکھ رہا تھا انور علی کمرے میں داخل ہوا اور سلام کرنے کے بعد اُس کی میز کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

کیا بات ہے؟ برہان الدین نے سوال کیا۔

مجھے معلوم ہوا ہے کہ نظام کا سفیر کل واپس جا رہا ہے اور سلطان معظم صلح کی شرائط طے کرنے کے لیے علی رضا خاں اور قطب الدین کو اس کے ساتھ بھیج رہے ہیں۔"

بُرہان الدین نے بے پروائی سے جواب دیا۔"ہاں۔ لیکن ان باتوں کے ساتھ تمھارا کیا تعلق ہے؟"

جناب یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آپ وفد کے ساتھ فوج کے جو آدمی بھیجنا چاہتے ہیں ان میں میرے بھائی کا نام بھی شامل کر دیں۔"

لیکن میں اس کی وجہ نہیں سمجھ سکا میں جانتا ہوں کہ تمھارا بھائی ایک ہونہار سپاہی لیکن اس کام کے لیے سلطان معظم غالباً کسی تجربہ کار اور عمر رسیدہ افسر کو منتخب کریں گے۔"

جناب ایسے معاملات میں کبھی کبھی ذاتی تعلقات بہت کام دیتے ہیں اور مراد علی نے مجھے بتایا ہے کہ وہ امتیاز الدولہ کو جانتا ہے اور دکن اور میسور میں مصالحت کے متعلق ان کے درمیان کافی باتیں ہو چکی ہیں۔"

برہان الدین نے قدرے متعجب ہو کر کہا کون امتیاز الدولہ نظام کا بھتیجا ج؟"

جی ہاں شاید آپ کو اس بات پر تعجب ہو لیکن مراد کا یہ دعوی ہے کہ وہ اس کا دوست ہے۔

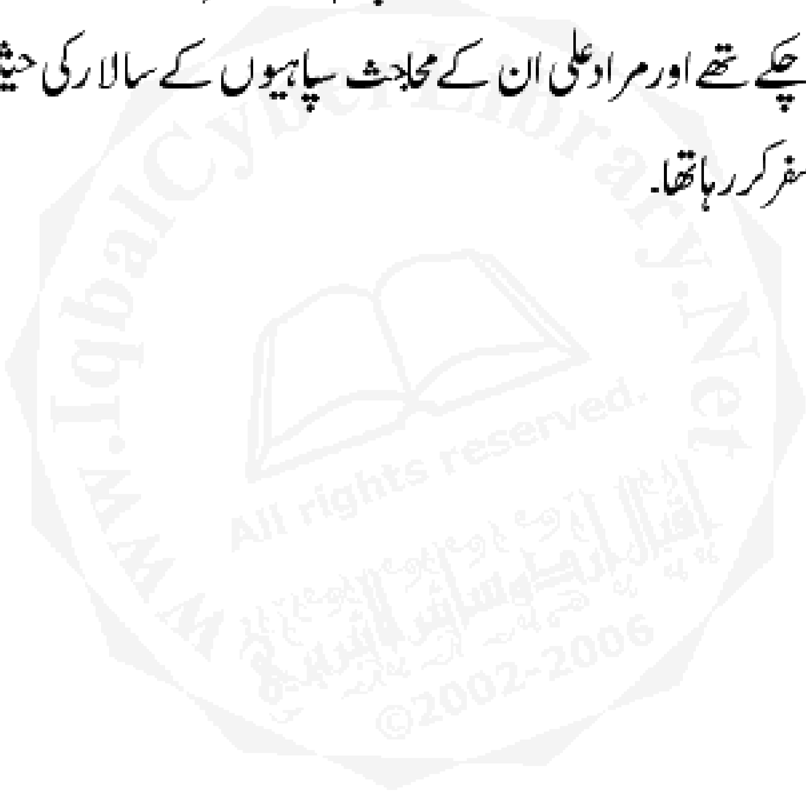
وہ امتیاز الدولہ سے کب ملا تھا؟"

جناب جنگ سے پہلے ابا جان کے ایک عریز دوست کی صاحبزادی کی شادی ادھونی کے ایک با اثر خاندان میں ہوئی تھی اور مراد وہاں گیا تھا برات کے ساتھ ادھونی اور حیدر آباد کے بڑے بڑے اُمرا کے علاوہ امتیاز الدولہ بھی آئے ہوئے تھے وہاں ایک مجلس میں سلطان معظم کے متعلق بحث ہو رہی تھی اور ،ُر د نے کچھ ایسی باتیں کہی تھیں جن سے امتیاز الدولہ بہت متاثر ہوئے تھے۔مُراد علی کہت اہے کہ سُلطان کے متعلق امتیاز الدولہ کے خیالات بہت اچھے ہیں اور اگر اُسے حیدر آباد جانے کا موقع دیا جائے تو وہ اس مہم میں اس کا پُورا تعاون حاصل کر سکے گا۔"

بُرہان الدین مُسکرایا۔"امتیاز الدولہ' تعاوہ ہمیں پالے ہی حاصل ہے لیکن

تمھارا بھائی اگ وہاں جا کر کوئی مفید کام کر سکتا ہے تو میں سلطانِ معظّم کی خدمت میں اس کا نام پیش کرنے کے لیے تیار ہوں ذاتی طور پر مجھے نچام علی سے کسی بلائی کی توقع نہیں ۔ لیکن اگر تمھارہ بھائی امتیاز الدولہ کا تعاون حاصل کر سکے تو ہمارے لیے اس کے صحیح خیالات معلوم کرنا زیادہ آسان ہو جائے گا۔‘‘

تیسرے دن سلطان کے سفیر میر نچام علی کے لیے بیش قیمت تحائف لے کر روزنہ ہو چکے تھے اور مراد علی ان کے محافظ سپاہیوں کے سالار کی حیثیت میں اُن کے ساتھ سفر کر رہا تھا۔



گیارھواں باب

حیدر آباد کے ایک عالی شان مکان کی بالائی منزل کے ایک کمرے میں تنویر اور ہاشم بیگ بیٹھے ہوئے تھے۔تنویر کی گود میں چند ماہ کا بچہ کھیل رہا تھا۔دوپہر کا وقت تھا اور باہر ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی۔اخادمہ کمرے میں داخل ہوئی اور اس نے کہا۔"جناب ایک آدمی آپ سے ملنا چاہتا ہے۔"

کون ہے وہ؟

جنا مجھے معلوم نہیں نوکر نے اُسے دیوان خانے میں بیٹھا دیا ہے۔

ہاشم بیگ نے کہا۔ تم ہر اجنبی کو مہمان سمجھ لیتے ہو!

جناب اس کے لباس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی معزز آدمی ہے۔

ہاشم بیگ کمرے میں داخل ہوا اور ایک خوش وضع نوجوان کرسی سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ ایک ثانیہ کے لی ہاشم بیگکو اپنی آنکھوں پر اعتبار نہ آیا۔اور پھر اسنے آگے بڑھ کر نوجوان کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔مراد علی آپ یہاں کیسے پہنچ گئے؟

میں میسور کی سفارت کے ساتھ آیا ہوں اور چار دن س یہاہوں ۔ چچا اکبر خاں کے خط سے مجھے معلوم ہوا تھا کہ آپ ان دنوں حیدر آباد میں ہیں۔میں ن یہاں پہنچتے ہی سب سے پہلے شیخ فخر الدین کا مکان تلاش کیا تھا لیکن وہاں سے معلوم ہوا کہ وہ حج پر چلے گئے ہیں۔

ہاشم نے کہا۔اپ کو سیدھا میرے پاس آنا چاہیے تھا۔

میں ایک سپاہی کی حیثیت سے سلطان ک سفیروں کے ساتھ آیا ہوں اور میرا اُن کے ساتھ رہنا ضروری تھا۔آپ کے ابا جان کہاں ہیں؟

وہ واپس ادھونی چلے گئے تھے۔ لیکن میں حیدر آباد آتے ہی نظام کی محافظ

فوج میں شامل ہو گیا تھا اور مجھے واپس جانے کی اجازت نہیں ملی۔"

"اور بہن تنویر کہاں ہیں؟"

وہ یہیں ہیں۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ ابھی تھوڑی پہلے تنویر آپ تنویر آپ کے متعلق باتیں کر رہی تھی۔"

مراد علی نے کہا۔" چند ہفتے قبل یہ نات میرے وہم وگمان میں بھی نہ تھی کہ میں حیدرآباد آؤں گا اور یہاں آپ سے ملاقات ہوگی۔"

"تنویر آپ کو بہت یاد کرتی تھی۔ آیئے وہ آپ کو دیکھ کر بہت خوش ہوگی۔"

مُراد علی اس کے ساتھ چل دیا۔

راستے میں میں ہاشم بیگ نے کہا۔"اگر آپ دو مہینے پہلے آتے تو شہباز کے ساتھ آپ کی ملاقات ہو جاتی۔"

"وہ یہاں آئے تھے؟"

"میں خود جا کر علاج کے لیے یہاں لایا تھا۔لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔وہ ہمیشہ کے لیے اپنی بینائی کھو چکا ہے۔"

مراد علی نے باقی راستہ کوئی بات نہ کی۔تنویر کے کمرے کے دروازے کے قریب پہنچ کر ہاشم بیگ نے اسے ہاتھ کے اشارے سے روکا اور خود مُسکراتا ہُوا اندر داخل ہُوا۔

"تنویر!" اس نے کہا۔"تمھارا بھائی آیا ہے!"

"میرا بھائی!" نوکر کتنا بدتمیز ہے انھیں سیدھا اُوپر کیوں نہیں لایا۔"

تنویر یہ کہا کر اٹھی اور بچے کو ہاشم بیگ کے حوالے کر کے بھاگتی ہوئی باہر نکل آئی۔مراد علی نے "السلام علیکم" کہہ کر آنکھیں جُھکا لیں اور وہ ٹھٹھک کر رہ گئی۔

ہاشم نے کمرے سے باہر نکل کر بچے کو مراد علی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ’’اور یہ آپ کا بھانجا ہے۔‘‘

مراد علی نے پیار سے بچے کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔ ’’اس کا نام کیا ہے؟‘‘

’’اس کا نام نصرت بیگ ہے۔‘‘ ہاشم نے جواب دیا۔ ’’چلیے اندر بیٹھیں۔‘‘

تھوڑی دیر بعد وہ کمرے کے اندر بے تکلفی سے باتیں کر رہے تھے۔ شہباز ان کی گفتگو کا موضوع تھا اور مراد علی تنویر کو تسلی دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ ’’بہن یہ مقدر کی بات ہے۔ اب صبر اور حوصلے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ شہباز کو آپ کے آنسوؤں سے زیادہ آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔‘‘

تنویر نے کہا۔ ’’بھائی جان آپ کو معلوم نہیں کہ ہم کس عذاب میں مبتلا ہیں۔ ابا جان اُس دن سے ہمارے ساتھ بات نہیں کرتے۔ امی جان کے لیے بھی یہ صدمہ نا قابلِ برداشت ہے۔ وہ اکثر بیمار رہتی ہیں۔ ابا جان کی صحت بھی خراب ہو گئی ہے۔ ایک دن وہ بھائی جان کا ہاتھ پکڑ کر انہیں سیر کے لیے باہر لے جا رہے تھے۔ اور میں نے پہلی بار اُن کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تھے۔ ابا جان میرے ساتھ بات نہیں کرتے۔ لیکن ان کی خاموش نگاہیں ہمیشہ مجھے اس بات کا احساس دلاتی ہیں کہ یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے۔ اگر میں چاہتی تو بھائی جان کو فوج میں شامل ہونے سے روک سکتی تھی۔ کاش میں انہیں اپنی آنکھیں دے سکتی۔‘‘

مراد علی نے مغموم لہجے میں سوال کیا۔ ’’ثمینہ کیسی ہے؟‘‘

’’ثمینہ کا حوصلہ قابلِ داد ہے آج تک اُسے کسی نے آنسو بہاتے نہیں دیکھا۔ وہ سب کو تسلی دینے کی کوشش کرتی ہے۔ ابا جان اُسے اپنی زندگی کا سب سے بڑا

سہارا سمجھتے ہیں۔ اور بھائی جان یہ کہا کرتے ہیں کہ ثمینہ میری آنکھوں کی روشنی ہے۔"

کم سن بچہ جواب تک خاموشی سے مراد علی کی گود میں پڑا ہُوا تھا' اچانک بلکنے لگا۔ ہاشم بیگ نے جلدی سے آسے اٹھالیا اور خادمہ کو آواز دی۔ خادمہ کمرے میں کمرے میں داخل ہُوئی اور بچے کو اٹھا کر باہر لے گئی۔

"ہاشم نے کہا۔" مراد علی مجھے اس بات کا افسوس ہے کہ ہماری پہلی ملاقات زیادہ خوشگوار نہ تھی۔ اس وقت میرے خیالات کچھ اور تھے لیکن بعد کے حالات نے بہت سی باتوں میں مجھے آپ کا ہم خیال بنا دیا ہے۔ اب ابّا جان بھی یہ محسوس کرتے ہیں کہ جنوبی ہند کے مسلمانوں کی بقا کے لیے نظام الملک اور سلطان ٹیپو کا اتحاد ضروری ہے۔ ہم انگریزوں اور مرہٹوں کے ساتھ مِل کر ذِلت کے سوا کچھ حاصل نہیں کیا۔ خدا کا شکر ہے کہ اب نظام الملک اور سلطان ٹیپو ایک دوسرے کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانے پر آمادہ ہوگئے ہیں۔"

"سلطان ٹیپو ہمیشہ اس اتحاد کے خواہاں رہے ہیں۔ اور یہ ہماری بدقسمتی تھ کہ وہ نظام الملک کو اپنا ہم خیال نہ بنا سکے۔"

"مجھے یقین ہے کہ اِس مرتبہ مصالحت کی کوششیں بے نتیجہ بے ثابت نہیں ہوں گی حیدرآباد کے اُمرا کا ایک با اثر گروہ انگریزوں یا مرہٹوں کی بجائے سُلطان ٹیپو کا طرف دار بن چکا ہے شمس الامراء اور امتیاز الدولہ تو پورے شدومد کے ساتھ دکن اور میسور کے اتحاد کی حمایت کر رہے ہیں اور اس نیک کام میں دکن کے ہر راست باز مسلمان کی دُعائیں اُن کے ساتھ ہین۔"

مراد علی نے کہا میں یہاں پہنچتے یہ امتیاز الدولہ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا مجھے

ڈر ہے کہ وہ بڑے آدمی ہیں اور اتنی مدت کے بعد شاید مجھے نہ پہچان سکیں لیکن انھوں نے مجھے دیکھتے ہی پہچان لیا میں ان کے ساتھ باتیں کر رہا تھا کہ شمس الامراء بھی آ گئے مجھے اندیشہ تھا کہ میں نے اگر بے تکلیف ہو کر کوئی بات کی تو شاید وہ بُرا مانیں لیکن پانچ منٹ کے بعد میں یہ مسوس کر رہا تھا کہ ہم برسوں سے ایک دوسرے کو جانتے ہیں وہ دونوں صحیح الخیال مسلمان ہیں اور اگر جنوبی ہند کے مسلمانوں کی آئندہ نسلوں کے مقدر میں انگریزون کی غلامی نہیں تو ہمیں صدق دِل سے ان کی مصاحانہ کو کوششوں کی کامیابی کے لیے دعا کرنی چاہیے۔"

ہاشم بیگ نے کہا دکن کے افراد میں سے صرف شمس الامراء ایک ایسے آدمی ہیں جو بے خوف ہو کر نظام الملک کے سامنے اپنے دل کی بات کہہ سکتے ہیں اور نظام الملک نے ان کے اصرار پر ہی حافظ الدین کو سلطان کی خدمت میں روانہ کیا تھا۔"

مُراد علی نے کہا میں یہاں کے حالات سے زیادہ واقف نہیں ہوں شمس الامراء اور امتیاز الدولہ کی باتیں میرے لیے بہت حوصلہ افزا تھیں لیکن اس کے باوجود میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ نظام کے دربار میں ایک باثر گروہ انگریزوں اور مرہٹوں کا طرف دار ہے کاش ہم لوگ یہ جان سکتے کہ اس وقت کلکتہ میں میر اور لارڈ کارنوالس کے درمیان کیا باتیں ہو رہی ہیں اور نظام نے کس مقصد سے اُسے وہاں بھیجا ہے!"

ہاشم بیگ مسکرایا میرے دوست تمھیں میر عالم کے متعلق پریشان نہیں ہونا چاہیے اب حیدر آباد کے کئی باثر اُمراء مصالحت کے حق میں ہیں اور میر عالم نے اگر اس نیک کام میں رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی بھی تو وہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔"

ہاشم بیگ مسکرایا۔"میرے دوست تمھیں میر عالم کے متعلق پریشانی نہیں ہونا

چاہیے۔ اب حیدر آباد کے کئی با اثر اُمرا مصالحت کے حق میں ہیں اور میر عالم نے اگر اس نیک کام میں اکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی بھی تو وہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔''

مُراد علی نے کہا۔ ''اگر یہ رکاوٹ صرف میر عالم کی طرف سے ہو تو میرے لیے فکر مند ہونے کی کوئی بات نہیں۔ لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں میر نظام علی حسبِ عادت اس مرتبہ بھی دو کشتیوں میں پاؤں رکھنے کی کوشش نہ کرے۔ خدا کرے کہ میرا یہ اندیشہ غلط ہو۔ کل ہمارے سفیر شام الملک سے ملاقات کر رہے ہیں اور ہم جس قدر دکن کی حکومت کے ساتھ دفاعی مُعاہدے کے لیے بے قرار ہیں اسی قدر یہ معلوم کرنے کے لیے بے قرار ہیں ہ میسور کے متعلق میر نظام علی کے صحیح عزائم کیا ہیں۔ مَیں آپ کو یقین دلاتا ہُوں کہ ہمیں نظام کی نیت کا صحیح اندازہ لگاتے میں دیر نہیں لگے گی۔ اب مجھے اجازت دیجیے۔ میں یہاں اپنے قیام کے دوران میں کبھی کبھی آپ سے ملتا رہوں گا۔''

تنویر نے کہا۔ '' بھائی جان یہ بات غلط ہے۔ آپ کو ہمارے پاس رہنا چاہیے!''

''اگر میں آزاد ہوتا تو یقیناً یہیں ٹھہرتا۔ لیکن میرے ذمّے چند فرائض ہیں 'آپ اس مہم مین ہماری کامیابی کی دعا کیجیے۔ اس کے بعد یں بن بُلائے یہاں چلا آؤں گا اور اگر آپ اصرار کریں گی تو پُورا مہینہ یہاں قیام کروں گا۔' مُرادعلی یہ کہہ کر کھڑا ہو گیا۔

ہاشم نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''بہت اچھا بھائی میں اصرار نہیں کرتا۔ لیکن کل شام ہمارے ہاں آپ کی دعوت ہے۔ میرے دوست آپ سے مل کر بہت خوش ہوں گے۔ نواب شمس الامراء ہمارے سالارِ اعلیٰ ہیں اور میں انہیں بھی بلانے کی کوشش

کروں گا۔"

مراد علی نے کہا۔"ابھی چند دن دعوت کا انتظام نہ کیجیے۔ میں بہت مصروف ہوں۔لیکن میں وعدہ کرتا ہوں کہ موقع ملتے ہی یہاں حاضری دینے کی کوشش کیا کروں گا۔ممکن ہے کہ کسی دن میں کھانے کے وقت بھی آسکوں۔اب مجھے اجازت دیجیے۔"

یہ کہہ کر مرادعی نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔لیکن ہاشم بیگ نے کہا۔" نہیں میں دروازے تک آپ کے ساتھ جاؤں گا۔"

☆

ایک دن تیسرے پہر شمس الامراء کی پالکی نظام کے دروازے پر رکی اور وہ پالکی سے اُتر کر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا۔بخار کے باعث اس کا چہرہ تمتمارہا تھا،محل کے پہریداروں نے اسے سلامی دی اور ایک نوجوان افسر نے آگے بڑھ کر اسے سہارا دینے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔"جناب آپ کو آرام کرنا چاہیے تھا۔"

شمس الامراء نے اسے ایک طرف ہٹاتے ہوئے کہا۔"میں بالکل ٹھیک ہوں۔ تم حضور نظام کو اطلاع کردو کہ میں ان سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔"

عالیجاہ! میں آپ کا پیغام اندر پہنچادیتا ہوں۔لیکن اس وقت مشیر الملک اور میر عالم حاضر خدمت ہیں۔"

"مجھے معلوم ہے اور میں اسی لیے آیا ہوں۔ تم اطلاع بھیج دو۔"

پہریداروں کا افسر سلام کر کے اندر چلا گیا۔شمس الامراء لڑکھڑاتا ہوا ڈیوڑھی سے آگے ایک کمرے میں داخل ہوا اور نڈھال سا ہو کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

چند منٹ بعد نوجوان افسر واپس آگیا اور اس نے کہا۔ ''میں نے اطلاع بھیج دی ہے۔ اور میں نے یہ بھی کہلا بھیجا ہے کہ آپ کی طبیعت ناساز ہے۔''

تھوڑی دیر بعد ایک سپاہی آیا اور اُس نے ادب سے سلام کرنے کے بعد کہا۔

''عالیجاہ! تشریف لائیے۔''

شمس الامراء اُٹھ کر اس کے ساتھ چل دیا۔ راستے میں جگہ جگہ پہرے دار کھڑے تھے اور شمس الامراء ہاتھ کے اشارے سے ان کے سلام کا جواب دیتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ دوسری ڈیوڑھی پر محل کے داروغہ نے اس کا خیر مقدم کیا۔ اور رسمی مزاج پرسی کے بعد اس کے ساتھ چل دیا۔ وہ سنگِ مرمر کی پٹڑی پر ایک خوب صورت باغ میں سے گزرنے کے بعد ایک کشادہ برآمدے میں داخل ہوئے۔ داروغہ نے ہاتھ سے ایک دروازے کی طرف اشارہ کیا اور شمس الامراء کسی توقف کے بغیر اندر داخل ہوگیا۔ میر نظام علی ایک سنہری کرسی پر جلوہ افروز تھا۔ اور مشیر الملک اور میر عالم اس کے سامنے مودب کھڑے تھے۔ شمس الامراء کورنش بجالانے کے بعد آگے بڑھا۔

نظام علی ذرا سیدھا ہوکر بیٹھ گیا۔ اور اس نے کہا۔ ''تمہیں اس حالت میں یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔ تمہارا چہرہ بتا رہا ہے کہ تمہاری طبیعت زیادہ خراب ہے۔''

شمس الامراء نے کہا۔ ''عالیجاہ! اس بے جا مداخلے کے لیے میری معذرت قبول فرمائیے۔ اگر بارِ خاطر نہ ہو تو میں تخلیہ میں چند باتیں کرنا چاہتا ہوں۔''

میر نظام علی نے مشیر الملک اور میر عالم کی طرف دیکھا اور پھر شمس الامراء کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ ''یہاں انگریزوں یا مرہٹوں کا کوئی آدمی نہیں۔ تم مشیر الملک اور میر عالم کے سامنے بے تکلفی سے بات کر سکتے ہو۔

"عالیجاہ! مجھے اندیشہ ہے کہ میری باتیں انہیں ناگوار محسوس ہوں گی۔ بہر حال میں اپنا فرض ادا کرتا ہوں۔ ٹیپو کے وکیل آپ سے ملاقات کر چکے ہیں اور مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ حضور نے ان کے ساتھ کوئی حوصلہ افزا بات نہیں کی اور وہ بہت مایوس ہیں۔"

"ان کے مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ ابھی تو ہماری گفتگو کی ابتداء ہوئی ہے اور ایسے مسائل ایک دن کے اندر طے نہیں ہو جاتے۔"

"لیکن عالیجاہ! میرا خیال تھا کہ سلطان نے آپ کے تمام مطالبات مان لیے ہیں ہمیں ایک نیک کام میں بلاوجہ تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔"

"لیکن تمہیں یہ خوشخبری دینا چاہتا ہوں کہ لارڈ کارنوالس نے بھی ہمارے تمام مطالبات مان لیے ہیں۔ میر عالم کلکتہ سے جو پیغام لایا ہے وہ بہت حوصلہ افزا ہے مجھے افسوس ہے اب تک تمہارے ساتھ اس کی ملاقات نہیں ہوئی ورنہ ایسی حالت میں تمہیں یہاں آنے کی تکلیف نہ اٹھانی پڑتی۔ تمہیں یہ اندیشہ تھا کہ اگر میسور سے نپٹنے کے بعد مرہٹوں نے ہمارے ساتھ بد عہدی کی تو ہمیں ایک خطرناک صورتِ حال کا مقابلہ کرنا پڑے گا۔ لیکن اب تمہیں خوش ہونا چاہیے کہ میر عالم کارنوالس کے ساتھ ایسی شرائط طے کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں جن کے بعد یہ خدشہ باقی نہیں رہا۔ کہ اگر مرہٹوں نے کسی جارحیت کا ثبوت دیا تو کمپنی ہماری مدد نہ کرے گی۔"

چند ثانیے شمس الامراء کے منہ سے کوئی بات نہ نکل سکی۔ بالآخر اس نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ "عالیجاہ! میں نے اپنی زندگی کے بہتری ایام آپ کے خاندان کی خدمت میں گزارے ہیں۔ میں آپ کا نمک خوار ہوں اور میں اتنا حق ضرور رکھتا ہوں کہ آپ کے سامنے اپنے دل کی بات کہہ سکوں۔ ہو سکتا ہے اس وقت میری

باتیں آپ کو انتہائی ناگوار معلوم ہوں۔ لیکن وقت یہ ثابت کر دے گا کہ میرے خدشات غلط نہ تھے۔ میں حضور کے سامنے میر عالم اور مشیر الملک سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ ٹیپو کے ساتھ انگریزوں اور مرہٹوں کی دشمنی کی وجہ کیا ہے؟ کیا اس کی وجہ یہ نہیں کہ وہ اس کی غیرت، اس کی ہمت، اس کی شجاعت اور اسکے جذبہ حریت کو اپنے راستے کا سب سے بڑا پتھر سمجھتے ہیں۔ اور اسکی نگاہیں کارنوالس اور فرنولیس کی آستینوں میں چھپے ہوئے خنجر دیکھ چکی ہیں۔ اُسے دھوکا دیا جا سکتا ہے نہ خریدا جا سکتا ہے؟"

"عالیجاہ! ٹیپو کے ساتھ انگریزوں اور مرہٹوں کی دشمنی کی وجہ سمجھ میں آ سکتی ہے۔ وہ ایک ایسا حکمران ہے جس نے میسور میں اسلام کا بول بالا کیا ہے۔ وہ دلی کی عظیم سلطنت کے زوال کے بعد اس ملک کے کروڑوں مسلمانوں کی آخری امید ہے۔ وہ پورے ہندوستان کی آزادی کی روح ہے اور جب یہ روح نکل جائے گی تو یہ ملک ایک لاش ہو گا جسے انگریز بھوکے گدھوں کی طرح نوچ رہے ہوں گے۔ ان گدھوں کی اشتہا بڑھتی جائے گی۔ آج میسور کی باری ہے اور کل شاید ہماری یا مرہٹوں کی باری آ جائے گی۔ اور جب ایسا وقت آئے گا تو ہم یہ محسوس کریں گے کہ اس ملک کی عزت اور آزادی کے وہ دشمن جنہیں ہم اپنے کندھوں پر اٹھا کر کلکتہ اور مدراس سے سرنگاپٹم لے آئے ہیں۔ اب وہ دلی کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ اور پونا اور حیدر آباد اُن کے راستے کی منزلیں ہیں۔

انگریزی استبداد کا عفریت مرشد آباد سے اودھ پہنچ چکا ہے اور جنوبی ہندوستان میں صرف میسور کی سلطنت ایک ایسی دیوار ہے جو گزشتہ تیس برس سے اس سیلاب کا راستہ روکے ہوئے ہے۔ میں آپ کو خبردار کرتا ہوں کہ جب سلطان

ٹیپو کا پرچم سرنگوں ہو جائے گا تو ہندوستان کے باقی حکمرانوں کے سامنے اس کے سوا کوئی راستہ نہیں ہوگا کہ وہ کرناٹک کے محمد علی والا جاہ کی طرح انگریزوں کے بے بس دعاگو بن کر رہیں۔ ان کی سنگینوں کے سائے میں اپنے دربار لگائیں اور اپنی بے بس رعایا کا خون چوس کر ان کا پیٹ بھریں۔"

میر عالم اور مشیر الملک نے سراپا احتجاج بن کر میر نظام علی کی طرف دیکھا اور اس نے تلملا کر کہا۔ "تمہیں معلوم نہیں کہ تم کہاں کھڑے ہو اور کیا کہہ رہے ہو۔ ہمیں تمہارے مشوروں کی ضرورت نہیں۔"

میر عالم نے کہا۔ "عالی جاہ! ٹیپو کی سب سے بڑی کامیابی یہ ہے کہ اس کی سیاست کے زہریلے اثرات حضورِ دربار تک پہنچ چکے ہیں۔"

مشیر الملک نے کہا۔ "اس کے وکیل ہمارے بازاروں سے گزرتے ہیں تو لوگ اٹھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ہماری مساجد میں اس کے لیے دعائیں مانگی جاتی ہیں۔ عوام اس قدر بے باک ہو گئے ہیں کہ وہ حضور پر نکتہ چینی سے بھی دریغ نہیں کرتے اور ہمیں انگریزوں کی کاسہ لیسی کا طعنہ دیتے ہیں۔"

میر عالم نے کہا۔ "عالیجاہ! یہاں پہنچتے ہی سر جان کیناوے اور پونا کے سفیر نے مجھ سے احتجاج کیا تھا کہ ٹیپو کے وکیلوں نے حیدر آباد میں سازشوں کا جال پھیلا رکھا ہے اور ان کے اشاروں پر یہاں کے عوام لارڈ کارنوالس اور نانافرنویس کو برملا گالیاں دیتے ہیں۔"

شمس الامراء چلایا۔ "میر عالم ابھی تم نے کچھ نہیں دیکھا۔ ابھی تم نے کچھ نہیں سنا۔ ٹیپو کے ساتھ عداوت نے تمہاری آنکھوں اور تمہارے کانوں پر پردے ڈال دیے ہیں۔ لیکن اگر نظام الملک نے تمہارے پیچھے چلنے کی غلطی کی تو ایک دن ایسا

آئے گا جب تمہارے اپنے بیٹے اور بیٹیاں سلطان ٹیپو کے لیے آنسو بہائیں گے۔ جب حیدرآباد کی آئندہ نسلیں چلا چلا کر یہ کہیں گی کہ ہمارے بزرگوں نے جن تلواروں سے شیرِ میسور کو مجروح کیا تھا وہ اب ہماری اپنی شہ رگ تک پہنچ چکی ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ جس قوم کے اکابر خودکشی پر آمادہ ہو چکے ہوں اُسے تباہی سے کوئی نہیں بچا سکتا۔"

شمس الامراء یہاں تک کہہ کر خاموش ہوگیا۔ وہ ہمت جو اسے شدید بخار کی حالت میں یہاں لے آئی تھی۔ اب جواب دے چکی تھی۔ چند ثانیے پھٹی پھٹی آنکھوں سے نظام الملک کی طرف دیکھنے کے بعد اُس نے ڈوبی ہوئی آواز میں کہا۔

"عالیجاہ! مجھے معلوم نہیں میں کیا کہہ رہا ہوں۔ میری ہمت جواب دے چکی ہے۔ مجھے اجازت دیجے۔"

وہ کورنش بجالانے کے لیے جھکا لیکن دروازے کی طرف تین چار قدم اٹھانے کے بعد اچانک منہ کے بل فرش پر گر پڑا۔ میر نظام علی اپنی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوگیا اور میر عالم اور مشیر الملک نے بھاگ کر اُسے اٹھانے کی کوشش کی۔ وہ بے ہوش تھا اور اس کا جسم بخار سے پھنک رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد چند سپاہی اسے پلنگ پر ڈال کر محل سے باہر لے جا رہے تھے۔

دو دن بعد سر جان کیناوے، لارڈ کارنوالس کو یہ خط لکھ رہا تھا کہ آج نظام الملک کی محافظ فوج کا سالارِ اعلیٰ اور حیدرآباد کا ایک بہت بااثر جاگیردار جو ہمارا بدترین دشمن اور دکن اور میسور کے اتحاد کا سب سے بڑا حامی تھا، وفات پا چکا ہے۔

شمس الامراء کے جنازے کے ساتھ حیدرآباد کے عوام کا ایک بے پناہ ہجوم تھا اور شہر کے عوام کی طرح میسور کی سفارت کے ارکان بھی باری باری اس کے

جنازے کو کندھا دینے کی کوشش کر رہے تھے۔ جب اس کی لاش لحد میں اُتاری جا رہی تھی تو مراد علی نے امتیاز الدولہ کی طرف دیکھا اور اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو اُمڈ آئے۔

امتیاز الدولہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ''میرے دوست! میرا بازو ٹوٹ چکا ہے۔ ہم اپنے مقدر سے نہیں لڑ سکتے۔ شمس الامراء کی موت میرے نزدیک ان اُمیدوں اور آرزوؤں کی موت ہے جو ہم نے دکن اور میسور کے اتحاد کے ساتھ وابستہ کی تھیں۔''

''لیکن میں مایوس نہیں ہوں۔'' مراد علی نے قدرے ہمت سے کام لیتے ہوئے جواب دیا۔ ''تمہیں مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ تم سلطان ٹیپو کے سپاہی ہو۔ مایوسی صرف ان کے لیے ہے جنہیں راستہ دکھانے والا کوئی نہ ہو۔''

شمس الامراء کی موت کے بعد بھی میسور کے سفراء کے ساتھ میر نظام علی کی ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ لیکن ان ملاقاتوں کا مقصد ایسٹ انڈیا کمپنی اور مرہٹوں کے ساتھ معاہدے کی شرائط کو اپنے لیے زیادہ سے زیادہ مفید بنانے کے سوا کچھ نہ تھا۔ قریباً دو ماہ بعد اپنے اتحادیوں سے پورا اطمینان حاصل کرنے کے بعد میر نظام علی نے سلطان ٹیپو کے سفیروں کو رخصت کر دیا۔

حیدر آباد چھوڑنے سے تھوڑی دیر قبل مراد علی، ہاشم بیگ کے گھر گیا۔ ہاشم اور اس کی بیوی مصالحت کی گفتگو کی ناکامی پر بہت پریشان تھے۔ مراد علی نے اُن کے ساتھ چند منٹ باتیں کرنے کے بعد رخصت لی۔ ہاشم بیگ گھر سے کچھ فاصلے تک اس کا ساتھ دینا چاہتا تھا۔ لیکن مراد علی ڈیوڑھی پر پہنچ کر رک گیا۔ اور اس نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''آپ یہیں رہیں۔''

ہاشم بیگ نے اُس کے ساتھ مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ ''مراد آپ کو مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ مجھے اب بھی یقین ہے کہ دکن اور میسور کی بہتری کی کوئی نہ کوئی صورت نکل آئے گی۔ اور ہمارے درمیان آگ اور خون کے دریا حائل نہیں ہوں گے۔ ہم ایک دوسرے پر گولی چلانے کے لیے پیدا نہیں ہوئے۔''

مراد علی نے ایک کرب انگیز مسکراہٹ کے ساتھ اس کی طرف دیکھا اور اسکے ساتھ مصافحہ کرنے کے بعد لمبے لمبے قدم اٹھاتا ہوا وہاں سے چل دیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ شاہی مہمان خانے میں پہنچ چکا تھا۔ جہاں اس کے ساتھی سفر کے لیے تیار کھڑے تھے۔

☆

سلطان کے خلاف فیصلہ کن جنگ لڑنے کے لیے ہندوستان کی تین عظیم طاقتیں متحد ہو چکی تھیں۔ انگریزی سیاست کی سب سے بڑی کامیابی یہ تھی کہ انہوں نے نظام اور مرہٹوں کو جنوبی ہندوستان کی وہ آخری دیوار مسمار کرنے پر آمادہ کر لیا تھا۔ جو برسوں سے اجنبی اقتدار کے سیلاب کو روکے ہوئے تھی۔ جنگ ناگزیر ہو چکی تھی۔ شیرِ میسور پھر ایک بار اَن گنت بھیڑیوں، گیدڑوں اور گدھوں کے درمیان کھڑا تھا۔

باہر سے اُسے کسی اعانت کی اُمید نہ تھی۔ اس نے مغرب کی جارحیت کے خلاف عالمِ اسلام کو متحد کرنے کے لیے قسطنطنیہ میں سلطانِ ترکی کے پاس جو ایلچی بھیجے تھے وہ مایوس ہو کر واپس آ گئے تھے۔ دولتِ عثمانیہ اپنی تاریخ کے نازک ترین دور سے گزر رہی تھی۔ روس کی ملکہ کیتھرین ثانی اور آسٹریا کے شہنشاہ جوزف ثانی ترکی کے خلاف متحد ہو چکے تھے۔ اور اُن کی طرف سے اس امر کا اعلان ہو چکا تھا۔

کہ وہ عثمانی سلطنت کے مغربی ممالک پر قبضہ کے تخت پر کیتھرین کے پوتے قسطنطین کو بٹھائیں گے۔

یورپ میں طاقت کا توازن قائم رکھنے کے لیے برطانیہ کا وزیر اعظم پٹ بیگر فریقین میں صلح کروانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ان حالات میں عثمانی حکومت انگریزوں کی مرجی کے خلاف سلطان ٹیپو کے ساتھ کوئی معاہدہ کرنے کے لیے تیار نہ تھی۔سلطان ترکی کے ساتھ ٹیپو کے سفیروں کی ملاقات سے پہلے ہی قسطنطنیہ کے برطانوی سفیر رابرٹ اینسلی کو یہ ہدایات موصول ہو چکی تھیں کہ ترکی اور میسور کی حکومتوں کے درمیان معاہدہ کی بات چیت کو ناکام بنانے کی ہر ممکن کوشش کی جائے۔ چنانچہ برطانوی سفیر کی کوششوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ ترکی خلیفہ سلطان ٹیپو کو سلطان کے لقب، چند تحائف اور نیک دعاؤں کے سوا کچھ نہ دے سکا۔

سلطان نیت جو سفارت فرانس روانہ کی تھی اُس کی کارگزری بھی حوصلہ شکن تھی۔تولون کی بندرگاہ پر فرانس کی حکومت اور فرانس کے عوام نے سلطان کے سفیروں کا شاندار خیر مقدم کیا تھا۔اس کے بعد پیرس تک راستے کے ہر شہر میں فرانس کے عوام اور حکومت نے نمائندے ان کا پرجوش استقبال کر رہے تھے۔ان کے سفر کے لیے چھ گھوڑوں کی بگھی اور سواروں کا ایک حفاظتی دستہ مہیا کیا گیا تھا۔راستے کے ہر بڑے شہر میں ان کے لیے آتش بازی کی نمائش کی جاتی تھی۔لوگ کئی کئی میل سے انہیں دیکھنے کے لیے آتے تھے۔پیرس میں شاہ لوئس نے انتہائی گرمجوشی سے اُن کا خیر مقدم کیا۔لیکن جب دونوں سلطنتوں کے درمیان معاہدے کی بات چیت کی نوبت آئی تو اس نے یہ جواب دیا۔کہ معاہدہ وارسیلز کی خلاف ورزی کر کے انگریزوں کے ساتھ جنگ کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔

پیرس میں سلطان کی سفارت کی ناکامی کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اُن دنوں فرانس خود انتہائی مخدوش حالات کا سامنا کر رہا تھا۔ حکومت کے ظلم و استبداد اور لوٹ کھسوٹ کے باعث عوام کا پیانہ لبریز ہو چکا تھا۔ اور شہنشاہیت کے خلاف انقلابی طاقتیں حرکت میں آ چکی تھی۔ حکومت کے بعض باا ثر ارکان انگریزوں کے خلاف سلطان ٹیپو کے ساتھ معاہد کرنے کے حق میں تھے۔ لیکن اکثر ملک کی اقتصادی بد حالی کے پیشِ نظر انگریزوں کے ساتھ جنگ کا خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہ تھے۔ وہ شاہِ فرانس کو یہ مشورہ دے چکے تھے کہ ہمیں اپنی افواج ہندوستان سے نکال کر مریشس اور بوربون کے اڈوں کو مضبوط کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ شاہِ فرانس نے سلطان کے سفیروں کا صرف ایک مطالبہ خوشی سے منظور کیا۔ اور وہ یہ کہ اس نے ایک تجربہ کار طبیب اور ایک جراح کے علاوہ رنگ سازوں، نجاروں، بافندوں، گھری سازوں اور دوسری صنعتوں کے ماہرین کی ایک جماعت کو اُن کے ساتھ میسور جانے کی اجازت دے دی۔



ایسٹ انڈیا کمپنی کے ساتھ ٹیپو کے خلاف دفاعی اور جارحانہ معاہدہ کرنے کے باوجود نظام یا مرہٹے جنگ میں پہل کرنے پر آمادہ نہ تھے۔ گزشتہ تجربات نے انہیں کافی محتاط بنا دیا تھا۔ اور وہ یہ چاہتے تھے کہ اس مرتبہ جنگ کی ابتداء انگریزوں کی طرف سے ہو۔ انگریزوں کی افواج کیل کانٹے سے لیس ہو چکی تھی۔ کورگ کے راجہ اور مالابار کے فائر پالیگاروں سے ان کے خفیہ معاہدے ہو چکے تھے۔ کرنول اور کُڈپہ کے نواب جو میسور کے باج گزار تھے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کو یہ اطمینان دلا چکے تھے۔ کہ جنگ شروع ہوتے ہی وہ سلطان کے خلاف بغاوت کا اعلان کر دیں گے۔ اب

معاہدہ منگلور کی دھجیاں اڑانے کے لیے لارڈ کارنوالس کو صرف ایک بہانے کی ضرورت تھی۔ اور وہ بہانہ پہلے سے موجود تھا۔ ٹراونکور کا راجہ راما ورما انگریزوں کی شہ پر ایک مدت سے سلطان کے خلاف معاندانہ سرگرمیوں میں مصروف تھا۔ اور اس کے دستے میسور کی سرحد پر کئی حملے کر چکے تھے۔ وہ کمپنی کا حلیف تھا اور انگریزوں نے اس کی حوصلہ افزائی کے لیے اپنی فوج کی دو کمپنیاں اس کے حوالہ کر دی تھیں۔

سلطان ٹیپو کو یہ معلوم تھا کہ ٹراونکور کے راجہ کے خلاف اس کی جوابی کاروائی انگریزوں کے ساتھ ٹکراؤ کی صورت پیدا کر دے گی۔ اس لیے وہ مصالحت کے لیے کوشاں تھا۔ لیکن راما ورما نے سلطان کی مصالحانہ کوششوں کے جواب میں اپنی جارحانہ سرگرمیاں تیز تر کر دیں۔ سلطان نے انگریزوں سے اپیل کی کہ وہ اپنے حلیف کو ان مفسدانہ سرگرمیوں سے باز رکھیں۔ لیکن اس اپیل کا کوئی اثر نہ ہوا۔

میر نظام اور نانا فرنویس کے ساتھ تسلی بخش معاہدے ہوتے ہی انگریزوں نے راما ورما کو تھپکی دی اور اس نے ٹراونکور کی دفاعی لائن کے سامنے ایک گھنا جنگل صاف کرنے کے بہانے ایک ہزار سپاہی میسور کی حدود میں داخل کر دیے۔ لیکن سرحد کے محافظ دستوں نے انہیں مار بھگایا۔ ایک مہینہ بعد ٹراونکور کے راجا نے دوسرا حملہ کیا۔ لیکن اس کا بھی یہی حشر ہوا۔ سلطان ٹیپو نے جنرل میڈوز گورنر مدراس کو اس صورتِ حال کی طرف متوجہ کیا۔ اور اسے مصالحت کے لیے ایک مشن بھیجنے کی دعوت دی۔ لیکن جنرل میڈوز ٹیپو کا پرانا دشمن تھا اور اُسے کارڈ نوالس کی طرف سے بھی اس امر کی ہدایت موصول ہو چکی تھی۔ کہ اب ہمارے لیے انتہائی سازگار حالات پیدا ہو چکے ہیں۔ اور ہمیں کوئی ایسی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ جو جنگ میں التوا کا باعث ہو۔ چنانچہ میڈوز نے صلح اور امن کے لیے سلطان کی اپیلوں کی طرف سے کان بند

کر کے مزید تین بٹالین ٹراونکور کی سرحد پر بھیج دیں۔

راجہ ٹروکور انگریزوں کی مالی امداد اور چراکل کوئمبٹو اور مالابار کے نائر پالیگاروں کے تعاون سے میسور کی سرحد پر ایک لشکر جمع کر چکا تھا اور انگریز اس کی فوج کے آٹھ ہزار سپاہیوں کے لیے بہترین اسلحہ مہیا کر چکے تھے۔

ان حالات میں سلطان ٹیپو کے لیے پھر ایک بار تلوار کا سہارا لینے کے سوا کوئی چارۂ کار نہ تھا شیر میسور اپنے کچھار سے نکل کر میدان میں آ گیا ٹراونکور کی فوج میسور کے طوفانی دستوں کے سامنے تنکوں کا انبار ثابت ہوئی چند گھنٹوں کے اندر اندر ٹراونکور کی سرحدی چوکیوں اور قلعوں پر میسور کے پرچم لہرا رہے تھے اور راجا کے سپاہی بھیڑوں اور بکریوں کی طرح بھاگ رہے تھے کرنل بارڈلے کی ماتحتی میں انگریزوں کی پانچ کمپنیاں اپنے بارود اور اسلحہ کے ذخیرے چھوڑ کر کرنگور میں پناہ لے رہی تھیں ایک انگریز پرچہ نویس میدان جنگ سے بمبئی اور مدراس جنرل میڈوز کو یہ لکھ رہا تھا میں نے کبھی ایسی شرمناک پسپائی نہیں دیکھی۔''

ٹراونکور کی دفاعی لائن کے پرخچے اُڑانے کے بعد سلطان ٹیپو کرنگور کی طرف بڑھا۔کرنل ہارڈلے نے وہاں بھی پسپائی اختیار کی اور سلطان نے قلعے پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد سلطان نے آئیکوٹہ اور چند قلعوں پر قبضہ کر لیا اب سارا ٹرانکور سلطان کے قدموں میں تھا۔ راما ورما کی طرف سے کسی میدان میں مزاحمت کی توقع نہ تھی لیکن ویراپولی پہنچ کر سلطان کو یہ اطلاع ملی کہ لارڈ کارنواس میسور کے خلاف اعلان جنگ کر چکا ہے اور اس کے اتحادی کئی محاذوں پر حملہ کرنے کے لیے تیار کھڑے ہیں۔ سلطان کو مجبوراً پیچھے ہٹنا پڑا۔

بارھواں باب

مدراس گورنمنٹ ہاؤس کے ایک کمرے میں کمپنی کے بڑے بڑے فوجی افسروں کی میٹنگ ہو رہی تھی۔ گورنر مدراس جنرل میڈوز جسے کمپنی کی افواج کا کمانڈر انچیف مقرر کیا گیا تھا۔ بمبئی اور کلکتہ کی انگریزی افواج کے نمائندوں کے مشورہ سے جنگ کا پلان تیار کر رہا تھا۔ کمرے کے درمیان ایک کشادہ میز پر جنوبی ہندوستان کا نقشہ کھلا ہوا تھا اور جنرل میڈوز اور دوسرے فوجی افسر میز کے گرد کھڑے تھے۔

جنرل میڈوز نے کہا۔ ”میرا اولین مقصد کوئمٹبور اور پائین گھاٹ کے علاقوں پر قبضہ کرنا ہے۔ میسور کے اہم شہروں اور قلعوں کی طرف پیش قدمی کرنے کے لیے ہمیں ان زرخیز علاقوں سے رسد حاصل کرنا بہت آسان ہوگا۔ بمبئی کی فوج کی پیش قدمی مالابار کے ساحل سے شروع ہوگی اور وہ ساحل کے علاقوں کو فتح کرنے کے بعد مدراس کی فوج سے آملیں گی۔ اس بات کا قوی امکان ہے کہ ٹیپو ہماری پیش قدمی روکنے کے لیے کرناٹک کو میدانِ جنگ بنانے کی کوشش کرے۔ اس لے جنرل کیلی کارومنڈل کے وسط سے بارہ محل کی طرف پیش قدمی کریں گے۔ تاکہ اگر کرناٹک کو خطرہ پیش آئے تو اُسے بروقت مدد دی جا سکے۔ مدراس سے کوچ کرنے کے بعد ہمارا پہلا مستقر ترچناپلی کے آس پاس ہوگا۔“

گورنر کا پرائیویٹ سیکرٹری کمرے میں داخل ہوا اور اس نے سلام کرنے کے بعد ایک مراسلہ پیش کیا۔ جنرل میڈوز نے خط کھول کر پڑھا اور نڈھال سا ہو کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ فوج کے افسر تذبذب اور پریشانی کی حالت میں اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

جنرل میڈوز نے قدرے توقف کے بعد کہا۔ ''جنٹلمین! یہ راجا ٹراونکور کی کارگزاری کے متعلق ایک تازہ رپورٹ ہے۔ اس کی فوج ہر محاذ سے بھاگ رہی ہے۔ ہم نے جو اسلحہ اور بارود مہیا کیا تھا وہ دشمن کے قبضے میں جا چکا ہے۔ کرنل ہارڈلے نے لکھا ہے کہ اگر ٹیپو کی توجہ فوراً دوسرے محاذوں پر مبذول نہ کی گئی تو وہ کسی دقت کے بغیر سارے ٹراونکور پر قبضہ کر لے گا۔ اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ پسپائی کی دوڑ میں ہمارے سپاہی ٹراونکور کے سپاہیوں سے سبقت لے جانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہمیں کل صبح تک پیش قدمی کے لیے تیار ہو جانا چاہیے۔''

سیکرٹری نے کہا۔ ''یور ایکسیلینسی! نواب محمد علی کو کیا جواب دیا جائے؟''

جنرل میڈوز نے تلملا کر کہا۔ ''وہ ابھی تک بیٹھا ہوا ہے؟''

''جی ہاں! آپ نے فرمایا تھا کہ آپ میٹنگ سے فارغ ہو کر اس سے ملاقات کریں گے۔''

''لیکن وہ میرا وقت ضائع کرنے پر کیوں مُصر ہے۔ جب سے میں نے چارج لیا ہے۔ وہ تین بار ملاقات کر چکا ہے۔ جاؤ اُسے کہو میں اس وقت فارغ نہیں ہوں۔ اگر وہ چند گھنٹے اور انتظار نہیں کر سکتا تو واپس چلا جائے۔''

سکرٹری نے کہا یور ایکسیلینسی اُسے مایوس کرنا آسان نہیں وہ شام تک آپ کے انتظار میں بیٹھا رہے گا مدراس کے گورنر سے ہر تیسرے چوتھے روز ملاقات کرنا اس کی زندگی کی سب سے بڑی دلچسپی ہے وہ کمپنی کا پُرانا وفادار ہے اور مدراس کے سابق گورنروں کی یہ ہدایات ہیں کہ اُسے بلاوجہ ناراض نہ کیا جائے۔''

جنرل میڈوز نے کرسی سے اُٹھ کر کہا جنٹلمن میں ابھی آتا ہوں۔''

کرناٹک کا کٹھ پتلی نواب محمد علی والا جاہ ملاقات کے کمرے میں بیٹھا ہوتا اس

کے چہرے پر پریشانی اور اضطراب کے آثار تھے جنرل میڈوز کمرے میں داخل ہوا اوراس کی آنکھیں مسرت سے چمک اٹھیں وہ جلدی سے اُٹھ کر آگے بڑھا اور جنرل میڈوز نے ایک حقارت آمیز تبسم کے ساتھ سلام کر مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔

مُحمد علی نے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا حضور کا اقبال بلند ہو اور حضور کے دشمن ذلیل وخوار ہوں!''

تشریف رکھیے نواب صاحب مجھے افسوس ہے کہ آپ کو بہت انتظار کرنا پڑا میں بہت مصروف تھا۔''

محمد علی نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا عید کا چاند دیکھ کر ماہ رمضان کی کلفتیں بُھول جاتی ہیں۔''

عید کب ہے؟'' جنرل میڈوز نے حیران ہوکر سوال کیا۔

جناب آپ میرا مطلب نہیں سمجھتے میرا مطلب ہے کہ آپ میرے لیے عید کا چاند ہیں یعنی آپ کو دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہوئی ہے۔''

ہو میں سمجھتا تھا کہ عید آگئی ہے۔''

جناب حقیقی عید تو اس دن آئے گی جب آپ کی جوجیں سرنگاپٹم پہنچ جائیں گی میں آپ کی فتح کی بشارت لے کر آیا ہوں۔''

نواب صاحب آپ فتح کی باتیں کر رہے ہیں ابھی تو جنگ بھی نہیں شروع ہوئی۔''

واہ جناب آپ کا خیال ہے کہ میں کچھ بھی نہیں جانتا اب تو خدا کے فضل سے ٹراونکور کا لشکر مالابار میں داخل ہو چکا ہوگا۔''

جنرل میڈوز نے جھنجھلا کر کہا ٹراونکور کا لشکر بھیڑوں اور بکریوں کی طرح

بھاگ رہا ہے

چند ثانیے محمد علی کے مُنھ سے کوئی بات نہ نکل سکی پھر اس نے اچانک اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک سونے کا تعویذ نکالا اور بڑھ کر جنرل میڈوز کے گلے میں ڈال دیا۔

یہ کیا ہے جنرل میڈوز نے اپنا غصہ ضبط کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

جناب یہ تعویذ ہے آپ اسے گلے سے نہ اتاریں مجھے یقین ہے کہ اس کی برکت سے ہر میدان میں آپ کا فتح ہوگی یہ مجھے ایک بزرگ نے دیا ہے جس کی ہر بات پتھر کی لکیر ہوتی ہے اب آپ خدا کا نام لے کر حملہ کردیں دنیا کی کوئی طاقت سرنگاپٹم تک آپ کا راستہ نہیں روک سکے گی میں نے سنا ہے کہ فرانسیسی پانڈی چری خالی کر رہے ہیں یہ آپ کی پہلی فتح ہے۔''

جنرل میڈوز نے انتہائی نفرت اور حقارت سے محمد علی کی طرف دیکھا اور کہا نواب صاحب ہمیں ڈر ہے کہ اس محاذ پر جنگ شروع ہوتے ہی کہیں اسے حالات پیدا نہ ہو جائیں کہ آپ کو ارکاٹ خالی کرنا پڑے!''

محمد علی چند ثانیے سکتے کے عالم میں جنرمیڈوز کی طرف دیکھتا رہا۔ بالآخر اس نے کہا۔ گورنر صاحب! اگر ٹراونکور سے کوئی خبر آئی ہے تو آپ کو اس قدر پریشان نہیں ہونا چاہیے سلطان ٹیپو اب اکیلا ہمارا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

میں بالکل پریشان نہیں ہوں۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ آپ اپنا قیمتی وقت باتوں میں جائع کرنے کی بجائے جنگ کی تیاری کریں!

جنرل صاحب میں یہ تو پوچھنے آیا تھا کہ میری فوج کو کوچ کا کب حکم ملے گا؟

آپکی فوج کو کوچ کرنے کی ضرورت نہیں۔ آپ اگر صرف کرناٹک کی

حفاظت کرسکیں تو یہ بھی ہماری بہت بڑی مدد ہوگی۔ اب مجھے اجازت دیجئے میں بہت مصروف ہوں۔

جنرل میڈوز یہ کہتے ہوئے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ نواب محمد علی بہت کچھ کہنا چاہتا تھا۔ لیکن کرناٹک کیفاظتکے مئسلے نے اس کے خیالات پریشان کردیے تھے۔ وہ بادل نا خواستہ اُٹھا اور جنرل میڈوز اُس کے ساتھ مصافحہکر کے کمرے سے باہر نکل گیا۔

کمرے سے باہر اپنے سکرٹری کو دیکھ کر جنرل میڈوز نے محمد علی کا عطا کردہ تعویز نوچ کر اس کے ہاتھ میں دے دیا اور کہا۔ یہ اپنے پاس رکھو اور بے وقوف کو یہ سمجھاؤ کہ وہ جنگ کے اختتام تک مجھے پریشان کرنیکی کوشش نہ کرے۔ یہ گدھا مجھے فتح کی خبر سنانے آیا تھا۔

مئی ۱۷۹۰ء کے آخری ایام میں جنرل میڈوز نے مدداس سے پیش قدمی کی اور ترچناپلی کے قریب ڈیرے ڈال دیے۔ جنرل میڈوز کی کمان میں پندرہ ہزار سپا ہی بہترین، ہتھیاروں سے مسلح تھے۔ ہندوستان کی تاریخ میں اس سے قبل کسی ایک محاذ پر انگریزوں کیا تنی بڑی فوج دیکھنے میں نہیں آئی تھی۔ سلطان ٹیپو کے لیے ابکسی علاقے کے شہروں یا قلعوں کی ھفاظت کی بجائے پوری سلطنت کا مسئلہ تھا اور میسور کی تمام سرحدوں پر دشمن کے اجتماع نے اسے اپنے لشکر کو کئی حصوں میں تقسیم کرنے پر مجبور کردیا تھا۔

جنرل میڈوز نے ۵ جون کو کرور کی طرف پیش قدمی کی اور چند ہفتوں میں کسی قابل ذکر مزاحمت کا سامنا کیے بغیر کرور اور دھاراپورم کے علاوہ چند اور قلعوں پر قبضہ کرلیا۔

سلطان ٹیپو دشمن کے عزائم سے خبردار ہوتے ہی ٹراونکور کا محاصرہ چھوڑ کر کومبٹور

پہنچ گیا اس اثنا میں دوسرے محاذوں پر بھی انگریزی افواج جمع ہو رہی تھیں اور سلطان نے قریباً ایک مہینہ کوئمٹور میں قیام کرنے کے بعد ایک وسیع پیمانے پر جنگ کے لیے تیاری کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے سرنگاپٹم کا رُخ کیا کوئمبٹور سے کوچ کرتے وقت سلطان نے اپنے چار ہزار سوار میر معین الدین عُرف سید صاحب کی کمان میں دیے اور اُسے ہدایت کی کہ تم اِکا دُکا حملوں سے دشمن کو ہراساں کر کے اس کی پیش قدمی روکنے کی کوشش کرو تاکہ مجھے تیاری کے لیے وقت مل جائے۔

میر معین الدین کی مختصر سی فوج کسی میدان میں ڈٹ کر انگریزوں کا مقابلہ کرنے کے قابل تھی۔ لیکن برسات کا موسم شروع ہو چکا تھا۔ اور اگر وہ سلطان کی ہدایات پر عمل کرتا تو یہ چار ہزار سوار جو گوریلا جنگ کے ماہر سمجھے جاتے ہیں دشمن کے رسل و رسائل کا نظام درہم برہم کر کے اس کے لیے شمار روکاوٹیں پیدا کر سکتے تھے۔ لیکن میر معین الدین جیسے جہاندیدہ سپاہی نے جس نا اہلیت اور بد دلی کا مظاہرہ کیا وہ سلطان کی فوج کے کسی ادنی افسر سے بھی غیر متوقع تھی اس نے کرنل فلائڈ کے دستوں کے ساتھ چند جھڑپوں کے بعد بھوانی کے شمال کی طرف پسپائی اختیار کی اور جنوب کے تمام علاقے دشمن کے لیے کھلے چھوڑ دیے۔

میر معین الدین کی یہ کوتاہی فوجی لحاظ سے میسور کے لیے انتہائی تباہ پیدا کر سکتی تھی لیکن خوش قسمتی سے جولائی کے مہینے میں برسات کا موسم شدت اختیار کر چکا تھا جنرل میڈوز نے میدان خالی دیکھ کر کوئمبٹور پر قبضہ کر لیا اور کرنل اسٹورٹ کو پال گھاٹ کی طرف پیش قدمی کا حکم دیا لیکن موسم برسات کی شدت کے باعث وہ زیادہ دُور نہ جا سکا۔

اگست کے دوسرے ہفتے کرنل اسٹورٹ نے دوبارہ پیش قدمی کی اور ڈنڈیگل

کے قلعے کا محاصرہ کرلیا یہ قلعہ ایک بلند چٹان پر واقع تھا اور دفاعی لحاظ سے سلطنت میسور کے مضبوط قلعوں میں سے ایک تھا قلعے کی محافظ فوج کی تعداد آٹھ سو سپاہیوں پر مشتمل تھی اور ان کا کمانڈر حیدر عباس سلطان کا ایک نڈر سپاہی تھا انگریزی توپ خانہ چار دن تک قلعے پر آگ برساتا رہا اور پانچویں دن کرنل اسٹورٹ نے عام حملے کا حکم دیا لیکن اُسے شدید نقصانات اٹھانے کے بعد پیچھے ہٹنا پڑا حیدر عباس آخری دم تک لڑنے کا فیصلہ کر چکا تھا لیکن اس کے بیشتر سپاہی اور افسر کمک نہ پہنچنے کے باعث ہمت ہار چکے تھے چنانچہ ۲۲ اگست کے دن اس نے اس شرط پر قلعے کا دروازہ کھول دیا کہ قلعہ خالی کرتے وقت اس کے سپاہیوں کا راستہ روکنے کی کوشش کی جائے گی۔

اس عرصہ میں جنرل میڈوز کی دوسری افواج درہ گجل ہٹی چوکیوں پر قبضہ کر لینے کے بعد انگریزوں کے ہاتھ میسور کی شہرگ تک پہنچ چکے تھے کوئمبٹور کا زرخیر صوبہ جہاں سے انھیں فراوانی کے ساتھ رسد مل سکتی تھی اب مکمل طور پر ان کے قبضہ میں تھا اور وہ کررو سے لےگجل ہٹی کے درّے تک چوکیاں قائم کر چکے تھے۔ دوسرے محاذ پر کون کیلی کی کمان میں کلکتہ کی دس ہزار فوج جسے بارہ محل فتح کرنے کی مہم سونپی گئی تھی، اگست کے شروع میں کنجی درم پہنچ چکی تھی جنرل اسٹورٹ کو تین اطراف سے سرنگاپٹم کی طرف بڑھنے کے لیے اب صرف مالابار کے محاذ پر مبئی کی افواج کی آمد کا انتظار تھا۔ میسور کی شمالی سرحد پر نظام اور مرہٹوں کی افواج جمع ہو رہی تھی لیکن جنگ کے ابتدائی دور میں اُن کی حیثیت خاموش تماشائیں سے زیدہ نہ تھی۔

لارڈ کارنوالس اور جنرل میڈوز کی پے در پے یا دوہونیوں کے میدان میں کود نے سے نانا فرنویس اور میر نظام علی کی ہچکچاہٹ کی سب سے بری وجہ یہ کہ ان میں س

کسی کو سلطان ٹیپو کے صحیح عزائم کا علم نہ تھا۔ نانا فرنویس اور میر نظام علی اگر اس بات کا یقین ہوتا کہ وہ کسی خطرے کا سامنا کیے بغیر پیش قدمی کر سکتے ہیں تو انھیں فیصلہ کرنے میں کوئی دِقت محسوس نہ ہوئی۔ لیکن سُلطان ٹیپو نے سرنگا پٹم پہنچ کر جہاں جنگی تیاریوں کے لیے دو ماہ کا وقفہ حاصل کر لیا تھا۔ وہاں نظام اور مرہٹوں کے لیے ایک پریشان کن مسئلہ پیدا کر دیا تھا۔ انھیں اس بات کا یقین تھا کہ اگر سُلطان نے سرنگا پٹم سے نکل کر جنوب میں انگریزوں کا سامنا کرنے کی بجائے شمال کی طرف توجہ پھیر دی تو ان کی حالت قابلِ رحم ہو گی

☆

جنگ کی کمان میں حیدر آباد کا شکر رائچور کے مقام پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا اور اُسے ضرور ہدایات دینے کے لیے میر نظام علی بھی وہاں پہنچ چکا تھا۔ ایک دن میر نظام علی اپنے خیمے میں مہابت جنگ کے ساتھ شطرنج کھیل رہا تھا کہ ایک افسر خیمے میں داخل ہُوا اور اس نے کورنش بجا لانے کے بعد کہا۔ ''عالی جاہ! سر جان کیناوے پہنچ گئے ہیں اور انھوں نے آنے ہو حضور کی خدمت میں باریابی کی اجازت طلب کی ہے۔''

میر نظام علی نے بد دل ہو کر افسر کی طرف دیکھا اور کہا۔ ''بہت اچھا، اسے لے آؤ۔'' پھر وہ مہابت جنگ کی طرف متوجہ ہوا۔ ''اس مرتبہ تمہاری ہار یقینی تھی۔ لیکن کیناوے ہمیں شطرنج کھیلتے نہیں دیکھنا چاہیے۔''

مہابت جنگ کے تالی بجانے پر ایک نوکر خیمے میں داخل ہوا اور نظام کے اشارے سے شطرنج کا سامان اٹھا کر لے گیا۔

نظام نے جھک کر پاس ہی قالین پر پڑے ہوئے کاغذات میں سے ایک نقشہ

اٹھایا اور اسے تپائی پر پھیلاتے ہوئے کہا۔" اس مرتبہ وہ کمبخت ہمیں بہت پریشان کرے گا۔"

مہابت جنگ نے مسکرا کر جواب دیا۔" مجھے یقین ہے کہ آپ اسے زیادہ پریشان کرسکیں گے۔"

نظام نے کہا۔" تمہیں اپنی پیش قدمی میں تاخیر کے لیے کوئی معقول وجہ سوچ لینی چاہیے۔"

مہابت جنگ نے جواب دیا۔" جناب گزشتہ تین ہفتوں میں کیناوے کے پانچ ایلچی میرے پاس آ چکے ہیں اور میری عقل جو بہانے تلاش کرسکتی تھی وہ انہیں پیش کیے جا چکے ہیں۔ اب تو میں یہ سوچ رہا ہوں کہ مجھے اس ملاقات سے بچنے کے لیے بیماری کے بہانے اپنے خیمے میں لیٹ جانا چاہیے۔

میر نظام عی ہنس پڑا۔

کیناوے خیمے میں داخل ہوا۔ مہابت جنگ نے اٹھ کر اس کا خیر مقدم کیا لیکن میر نظام علی نے اپنی کرسی پر بیٹھے بیٹھے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

مہابت جنگ نے ایک کرسی گھسیٹ کر آگے کر دی اور میر نظام علی نے کہا۔" مجھے افسوس ہے کہ آپ کو اس موسم میں سفر کی تکلیف اٹھانی پڑی۔ تشریف رکھیے۔"

کیناوے نے کرسی پر بیٹھے ہوئے کہا۔" موجودہ حالات میں میرے لیے حیدر آباد ٹھہرنا زیادہ تکلیف دہ تھا۔ مجھے اپنے کسی خط کا تسلی بخش جواب نہیں ملا۔ جنرل میڈوز اور لارڈ کارنوالس آپ کی تاخیر کے باعث بہت پریشان ہیں۔ فرمائیے آپ نے کیا فیصلہ کیا ہے؟

میر نظام علی نے جواب دیا۔" اگر ہری پنت آج پیش قدمی کرنے کا فیصلہ کر

لے تو ہماری طرف سے ایک لمحہ کے لیے بھی تاخیر نہیں ہو گی۔ ہم تو یہاں بیٹھے بیٹھے تنگ آ چکے ہیں۔"

"یور ہائی نس، سر چارلس میلٹ نے مجھے یہ پیغام بھیجا ہے کہ ہری پنت اور نانا فرنویس اس تاخیر کی ذمہ داری آپ پر ڈالتے ہیں۔ آپ نہایت قیمتی وقت ضائع کر رہے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ کوئمٹبور کا سارا صوبہ ہمارے قبضے میں آ چکا ہے۔ مشرق میں ہماری افواج بارہ محل پر قبضہ کرنے والی ہیں۔ اور چند دنوں تک بمبئی کی فوج مالابار میں داخل ہوئی جائیگی۔ اگر آپ فوراً حملہ کر دیں تو سلطان ٹیپو کو سرنگا پٹم سے باہر کسی محاذ پر جوابی کاروائی کی جرات نہیں ہو گی۔"

"ہاں اگر اس میں لڑائی کی ہمت ہوتی تو وہ کوئمٹبو جیسا زرخیز صوبہ ہمارے لیے کھلا چھوڑ کر سرنگا پٹم میں پناہ نہ لیتا۔"

"آپ کا خیال غلط ہے۔ ٹیپو سرنگا پٹم میں بیٹھ کر آپ کا انتظار نہیں کرے گا۔ اُسے تیاری کے لیے وقت کی ضرورت تھی۔ وہ ایک خوفناک آندھی کی طرح اچانک میسور سے نکلے گا اور ہم ہر محاذ پر اپنی سابقہ تجاویز میں ردوبدل کی ضرورت محسوس کریں گے۔"

"یور ہائی نس۔ آپ کو ٹیپو کی قوت سے اس قدر خوف زدہ نہیں ہونا چاہیے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر آپ فوراً حملہ کر دیں تو اُسے سرنگا پٹم سے نکلنے کی جرات نہیں ہو گی اور اگر اس نے یہ جرات کی بھی تو اس کا رخ شمال کی بجائے جنوب کی طرف ہو گا۔ اور آپ کسی مزاحمت کا سامنا کیے بغیر سرنگا پٹم پہنچ جائیں گے۔"

"لیکن اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ وہ آپ سے پہلے ہمارے ساتھ نپٹ لینا بہتر خیال نہیں کرے گا؟"

آپ کا خیال ہے کہ وہ ہماری طرف سے آنکھیں بند کر کے آپ پر حملہ کر دے گا؟"

"ہاں اور اگر آپ نے ان دنوں سر چارلس میلٹ سے ملاقات کی ہوتی تو وہ آپ کو بتاتے کہ ہری پنت کا بھی یہی خیال ہے۔"

"یور ہائی نس۔ مجھے معاف کیجیے ٹیپو اتنا نادان نہیں۔ اُسے ہماری قوت کی برتری کا احساس ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اُسے سرنگا پٹم سے باہر نکل کر ہمارا سامنا کرنے کی جرات نہیں ہوئی۔ یہ حقیقت اس کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں ہو گی کہ جب وہ شمال کا رخ کرے گا تو اس کی تنگبھدرہ پہنچنے سے پہلے ہم سرنگا پٹم پہنچ جائیں گے۔"

"میں جانتا ہوں کہ آپ سرنگا پٹم پہنچ جائیں گے۔ لیکن میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اس وقت تک ہمارے سامنے اپنے سپاہیوں کی لاشیں گننے کے سوا کوئی کام نہیں ہو گا۔"

کیناوے نے بددل سا ہو کر کہا۔ "جناب آپ جنگ میں ہمارے حلیف ہیں اور جنگ کو اختتام تک پہنچانے کے لیے ہم سب پر ایک سی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ آپ اور مرہٹوں کے تذبذب کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔ کہ جنگ لمبی ہو جائے۔ اور ہم آپ سے مایوس ہو کر ٹیپو کے ساتھ صلح کر لیں۔ اور اپنے اتحادیوں کو ہمیشہ کے لیے ٹیپو کے رحم و کرم پر چھوڑ دیں۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا۔ کہ وہ مزید چند برس تک تیاری کرنے کے بعد ہم میں سے ایک ایک کو نگل جائے گا۔"

میر نظام علی نے قدرے نرم ہو کر کہا۔ "آپ کو ہمارے متعلق اس قدر بدظن نہیں ہونا چاہیے۔"

''یور ہائی نس۔ میں بدظن نہیں ہوں لیکن میں آپ کے تذبذب کی وجہ نہیں سمجھ سکا۔''

''ہمرا تذبذب صرف اس وقت تک ہے جب تک ٹیپو سرنگا پٹم سے باہر نہیں نکلتا۔ جب تک ہمیں اس کے صحیح عزائم کا علم نہیں ہوتا۔ ہم جنگ کا کوئی نقشہ تیار نہیں کر سکتے۔''

''یور ہائی نس۔ بظاہر اس بات کا کوئی امکان نہیں کہ وہ بارہ محل اور مالا بار کا خیال چھوڑ کر آپ کی طرف توجہ کرے لیکن فرض کیجیے کہ اگر ایسی صورت پیدا ہو جائے تو اس کا مطلب یہ تو نہیں ہو سکتا کہ آپ سرے سے جنگ میں حصہ ہی نہ لیں۔''

میر نظام علی نے جواب دیا۔'' اس صورت میں ہماری جنگ سراسر مدافعانہ ہو گی۔ ہمیں سرنگا پٹم کے متعلق سوچنے کی بجائے پونا اور حیدرآباد کی فکر کرنا پڑے گی۔ ہم پوری قوت سے لڑینگے لیکن ہماری کوشش یہ ہوگی کہ ہم میسور کی حدود کے اندر دشمن کے نرغے میں آنے کی بجائے کسی ایسی جگہ اس کے ساتھ مقابلہ کریں جہاں سے ہماری رسد اور کمک ے راستے محفوظ ہوں۔ یہ آپ کی خوش قسمتی تھی کہ ٹیپو کوئمبتور میں آپ کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ اور آپ کسی دقت کے بغیر ایک وسیع علاقے پر قبضہ کر لیا ہے۔ لیکن اگر ہم میسور کی سرحد پر اپنی فوجیں جمع نہ کرتے تو ٹیپو ہر قدم پر پوری شدت کے ساتھ آپ کا مقابلہ کرتا۔''

کیناوے نے کہا۔'' تو آپ کا فیصلہ یہی ہے کہ جب تک سرنگا پٹم سے ٹیپو کی فوج نقل وحرکت نہیں کرتی آپ یہیں پڑے رہیں گے۔''

''میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہم دشمن کے ارادے سے باخبر ہونے سے

پہلے اس کے خلاف کوئی موثر کاروائی نہیں کر سکتے۔"

"فرض کیجئے کہ اگر ٹیپو سرنگاپٹم میں ہی اپنی جنگ لڑنے کا فیصلہ کر لیا تو آپ کا رویہ کیا ہو؟""

نظام مسکرایا۔" آپ حیدر علی کے بیٹے کو نہیں جانتے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ بہت جلد سرنگاپٹم سے کوچ کرے گا اور اس کی پہلی ضرب خواہ وہ ہم میں سے کسی پر ہو، بہت شدید ہو گی۔ میں مرہٹوں کا ذمہ نہیں لے سکتا۔ لیکن میری طرف سے اپ لارڈ کارنوالس کو یہ اطمینان دلا سکتے ہیں۔ کہ میری افواج چند دن کے اندر اندر میدان میں اتر جائیں گی۔ اگر شمال کی طرف اس کے متوقع حملے کے پیش نظر ہمیں پیچھے ہٹنا پڑا تو آپ کی افواج کو بڑھنے کا موقع مل جائے گا۔ اور اگر اس نے جنوب کی طرف پیش قدمی کی تو ہم شمال کے تمام علاقے تاخت و تاراج کر دیں گے۔ جنرل میڈوز کو یہ پیغام دیجیے کہ وہ اپنی پیش قدمی جاری رکھے تا کہ ٹیپو کو مزید تیاریوں کا موقع نہ ملے۔"

تھوڑی دیر بعد مسٹر کیناوے میر نظام علی سے رخصت ہو کر مرہٹوں کے پڑاؤ کا رخ کر رہا تھا۔ اور میر نظام علی مہابت جنگ سے یہ کہہ رہا تھا۔" مجھے یقین ہے کہ اب چند دن تک یہ لوگ ہمیں پریشان نہیں کریں گے۔ لیکن تمہیں تیار رہنا چاہیے۔ ٹیپو اب زیادہ عرصہ سرنگاپٹم میں نہیں بیٹھ سکتا۔ اگر اس نے جنوب کی طرف پیش قدمی کی تو ہمیں اس بات کا ثبوت دینا پڑے گا کہ ہم مرہٹوں سے پیچھے نہیں رہیں گے۔"

تیرھواں باب

"جین! جین!! نیچے آؤ!" لیگرانڈ نے مکان کے صحن سے آواز دی۔ جین لیگرانڈ کی آواز سُن کر گیلری میں نمودار ہوئی۔ نیچے صحن میں لیگرانڈ کے ساتھ ایک عمر رسیدہ آدمی کو دیکھ کر وہ چند ثانیے تذبذب کی حالت میں کھڑی رہی۔ اور پھر "کیپٹن فرانسسک!" کہہ کر زینے کی طرف بڑھی اور تیزی سے نیچے اُترنے لگی۔

کپتان فرانسسک نے آگے بڑھ کر اُس کے ساتھ مصافحہ کیا اور جین نے اُس پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔ "آپ کب تشریف لائے؟ آپ اتنا عرصہ کہاں تھے؟ ۔ ہم سوچا کرتے تھے کہ آپ ہمیں بھول گئے۔ فرانس میں ان دنوں کیا ہو رہا ہے؟ یہاں ایک عرصے سے عجیب و غریب خبریں آ رہی ہیں۔"

لیگرانڈ نے کہا۔ "ہم بیٹھ کر اطمینان سے باتیں کرتے ہیں۔"

وہ نچلی منزل کے ایک کشادہ کمرے میں داخل ہوئے اور کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

کپتان فرانسسک نے کہا۔ "میں آج ہی سرنگاپٹم پہنچا ہوں اور آتے ہی میں نے موسیو لالی سے تمہارا پتا کیا تھا۔ خوش قسمتی سے لیگرانڈ بھی کیمپ میں موجود تھا۔ میں تمہارے لیے بہت اچھی خبر لایا ہوں لیکن اس سے پہلے میں تمہیں شادی کی مبارک باد دینا چاہتا ہوں۔ میں نے تمہیں عمداً خط نہیں لکھا۔

انسپکٹر برنارڈ کو شبہ ہو گیا تھا کہ میں نے تمہاری مدد کی ہے اور اس نے پانڈی چری سے واپس جاتے ہی مجھے انقلابی جمعت کے ساتھ ہمدردی رکھنے کے الزام میں قید کروا دیا تھا۔

بستیل کے قید خانے میں وہ اکثر مجھ سے ملا کرتا تھا اور ہر بار یہ کہا کرتا تھا کہ

اگر تمام واقعات ظاہر کر دو اور مجرموں کو پکڑوانے میں ہمارے ساتھ تعاون کرو تو تمہیں آزاد کر دیا جائے گا۔ میرے انکار پر اس نے مجھے ہر ممکن اذیت پہنچانے کی کوشش کی۔ بستیل کی ایک زمین دوز اور تنگ و تاریک کوٹھڑی میں میرے لیے قید کے آخری چند مہینے انتہائی کرب انگیز تھے۔ باہر سے کسی دوست رشتہ دار کو میرے ساتھ ملاقات یا نامہ و پیام کی اجازت نہ تھی۔ جو پہرے دار میرے لیے دو وقت کھانا لے کر آتے تھے انہیں بھی میرے ساتھ بات چیت کرنے کی اجازت نہ تھی۔ پھر ایک دن حکومت کے باغیوں نے بستیل کے دروازے توڑ دیئے اور مجھے معلوم ہوا کہ فرانس میں انقلاب آچکا ہے۔

جین نے مغموم لہجے میں کہا۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ نے ہمارے لیے اتنی اذیت اٹھائی اور ہم سرنگا پٹم میں محفوظ تھے۔ اگر آپ پولیس کو بتا دیتے کہ ہم یہاں پہنچ چکے ہیں تو وہ شاید آپ کو اس قدر اذیت نہ پہنچاتے۔

فرانسسک نے کہا۔ اگر میں بات ظاہر کر دیتا تو مجھ سے باقی تمام باتیں اُگلوا لیتے۔ مارسیلز سے پانڈی چری تک کے سفر کے حالات بتا کر ان تمام دوستوں کے ساتھ غداری کا مرتکب ہوتا جنہوں نے ہمارے ساتھ تعاون کیا تھا۔ یہاں تک کہ مریشس میں لیگرانڈ کے بہنوئی کو بھی ایک پریشان کن صورت حال کا سامنا کرنا پڑتا۔ پھر اگر میں یہ ذلت گوارا کر لیتا تو بھی پیرس کی پولیس سے یہ توقع عبث تھی کہ وہ مجھے کسی اچھے سلوک کا مستحق سمجھیں گے۔

لیکن یہ تمام باتیں ماضی کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔ میں تمہیں حال اور مستقبل کے متعلق کچھ بتانے آیا ہوں۔ قید سے رہا ہوتے ہی میں انقلابیوں کے جن لیڈروں سے ملا وہ سب تمہارے بھائی کو جانتے تھے اور جب میں نے انہیں یہ بتایا کہ تم زندہ

اور سلامت ہو اور میں نے تمہاری مدد کرنے کے جُرم میں قید کاٹی ہے تو وہ مجھے اپنا مخلص ساتھی سمجھتے تھے۔ وہ لیگر انڈ کو بھی اپنا دوست سمجھتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ تم فوراً فرانس واپس آ جاؤ۔ حکومت نے تمہاری جو جائیداد ضبط کی تھی وہ واگزار کر دی جائے گی۔ موسیو لالی کے نام انہوں نے یہ پیغام بھیجا ہے کہ وہ تمہیں کسی تاخیر کے بغیر یہاں سے روانہ کر دیں۔ تمہاری جلاوطنی کا زمانہ گزر چکا ہے۔ اب جب تم پیرس میں پہنچو گی تو ہزاروں انسان تمہارے لیے چشم براہ ہوں گے۔ میں یہاں موسیو لالی کیس اتھ بات چیت کر چکا ہوں اور انہیں لیگر انڈ کے واپس جانے پر کوئی اعتراض نہیں۔ میں جس جہاز پر پانڈی چری پہنچا تھا وہ واپسی پر منگلور پہنچ کر ہمارا انتظار کرے گا۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ ہم دو دن کے اندر اندر یہاں سے منگلور روانہ ہو جائیں لیکن میں لیگر انڈ کے تذبذب اور پریشانی کی وجہ نہیں سمجھ سکا۔ اس نے ابھی تک مجھے کوئی جواب نہیں دیا۔

جین سرنگا پٹم کی فضا میں اپنے وطن کی خوشگوار ہواؤں کے جھونکے محسوس کر رہی تھی۔ وہ پیرس کے کشادہ بازاروں کی سیر کر رہی تھی۔ وہ اپنے اجڑے ہوئے گھر کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے نوکر اس کے سامنے کھڑے تھے اور اس کی سہیلیاں آگے بڑھ چڑھ کر اس سے گلے رہی مل رہی تھیں۔ پھر اچانک اُسے سرنگا پٹم کا ایک گھر یاد آیا اور پیرس کے دلکش نظارے اس کی آنکھوں سے محو ہونے لگے۔ وہ تصور کے عالم میں انور، مراد اور اُن کی والدہ سے رخصت ہو رہی تھی، اس کے ہونٹوں کا تبسم رخصت ہو چکا تھا اور اس کی آنکھوں میں آنسو جمع ہو رہے تھے۔

کپتان فرانسسک نے کہا۔ جین تم کیا سوچ رہی ہو۔ میں تمہارے قہقہے سُننے کی بجائے تمہاری آنکھوں میں آنسو دیکھ رہا ہوں؟

جین نے چونک کر فرانسسک کی طرف دیکھا اور پھر کچھ کہے بغیر لیگر انڈ کے چہرے پر نظر گاڑ دیں۔

لیگر انڈ نے کہا۔ موسیو فرانسک میری گردن آپ کے احسنات کے بوجھ سے ہمیشہ جھکی رہے گی لیکن موجودہ حالات میں میں فرانس جانے کا فیصلہ نہیں کر سکتا۔

فرانسسک کو اپنے کانوں پر اعتبار نہ آیا اور اس نے بدحواس ہو کر کہا۔ لیکن کیوں؟

لیگر انڈ نے جواب دیا۔ میں جنگ کے اختتام تک فرانس نہیں جا سکتا۔ میں ان لوگوں کو پیٹھ نہیں دکھا سکتا جنہوں نے ایک غریب الوطن کو اپنا دوست، اپنا بھائی اور اپنا بیٹا سمجھ کر سہارا دیا۔ میری زندگی کے تاریک ترین دور میں سرنگا پٹم میرے لیے دشمنی کا مینار تھا۔ اور آج سرنگا پٹم ان لاکھوں انسانوں کی آخری اُمید ہے جو میری طرح امن و سکون، عزت اور آزادی کی زندگی کے طلبگار ہیں۔ ٹیپو اب میرے نزدیک ایک اجنبی حکمران نہیں ہے۔ بلکہ میں اس کے لیے اپنے سینے میں اطاعت اور محبت کے وہی جذبات محسوس کرتا ہوں جو اس ملک کے ہر باشندے کے سینے میں موجزن ہیں۔ میرے نزدیک اس کی فتح انسانیت کی فتح اور اس کی شکست انسانیت کی شکست ہو گی۔

کپتان فرانسسک نے لاجواب سا ہو کر کہ۔ اگر تمہارے جذبات یہ ہیں تو میں اس سلسلے میں مزید بحث کی ضرورت نہیں سمجھتا مجھے یقین ہے کہ اگر تمہاری جگہ میں ہوتا تو میرا بھی یہی فیصلہ ہوتا۔ موسیو لالی نے مجھے کہا تھا کہ تم ایک اچھے سپاہی بن سکتے ہو اور میسور میں اچھے سپاہیوں کے لیے ترقی کے دروازے کھلے ہیں۔

لیگرانڈ نے کہا۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ میں مستقل طور پر یہاں رہنے کا فیصلہ کر چکا ہوں جنگ ختم ہونے کے بعد ہم اپنے وطن چلے جائیں گے۔

فرانسسک نے کہا۔ میں یہ کوشش کروں گا کہ تمہاری غیر حاضری میں تمہاری جائداد کی حفاظت کی جائے۔ اس سلسلہ میں مجھے شاید تمہاری کسی تحریر کی ضرورت پڑے۔

لیگرانڈ نے جواب دیا۔ ہم دونوں آپ کو مختار نامہ لکھ دیں گے۔

لیکن تمہیں اچھی طرح سوچ لینا چاہیے۔ میں کل کا دن یہاں ہوں گا اور اگر اس عرصہ میں تمہاری رائے بدل جائے تو مجھے تم کو اپنے ساتھ لے جانے میں خوشی ہوگی۔ ابھی تک جین نے اس مسئلے میں کچھ نہیں کہا۔

جین نے کہا۔ لیگرانڈ کا فیصلہ میرا فیصلہ ہے۔ مجھے صرف اس بات کا افسوس ہے کہ میسور کی فوج میں عورتوں کے لیے کوئی جگہ نہیں۔

فرانسسک نے کہا۔ انور علی ابھی تک نہیں آیا۔ میں چاہتا ہوں کہ آج شام سے پہلے پہلے سرنگاپٹم میں چند اور دوستوں کو دیکھ لیتا۔

جین نے پوچھا۔ انور علی کو آپ کی آمد کی اطلاع مل چکی ہے؟

ہاں میں نے کیمپ سے روانہ ہوتے وقت اُسے پیغام بھیج دیا تھا۔

لیگرانڈ نے کہا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ آ ہی رہا ہوگا۔

جین نے کہا۔ موسیو فرانسسک میں آپ کی وساطت سے پیرس میں اپنی چند سہیلیوں کے نام خط بھیجنا چاہتی ہوں۔

بہت اچھا تم خط لکھ چھوڑو میں لے جاؤں گا۔ لیگرانڈ میں غالباً میریشس کے راستے جاؤں گا اس لیے تم بھی اپنی بہن کے نام خط لکھ رکھو۔

یہ تو بہت ہی اچھی بات ہوگی۔میں نے یہاں آ کر بہن کو کوئی پیغام نہیں بھیجا۔

لیگرانڈ نے کہا۔انہیں یہاں لے آؤ۔نوکر چلا گیا۔

ایک منٹ بعد انور علی کمرے میں داخل ہوا۔ فرانسسک اور لیگرانڈ اُٹھ کر کھڑے ہو گئے اور وہ ان کے ساتھ یکے بعد دیگرے مصافحہ کرنے کے بعد ایک کُرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔موسیو فرانسسک میں صرف چند منٹ کے لیے آیا ہوں۔ آج پانچ بجے سپہ سالار برہان الدین نے فوج کے افسروں کو مستقر میں حاضر ہونے کا حکم دیا ہے۔مجھے آپ سے بہت سے باتیں کرنی ہیں۔اس لیے میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ رات کا کھانا میرے ہاں کھائیں اور اگر آپ قیام بھی وہیں کریں تو مجھے بہت خوشی ہوگی۔

فرانسسک نے کہا۔لیکن آج تو میں موسیو لالی کی دعوت قبول کر چکا ہوں۔

لیگرانڈ بولا۔اور کل دونوں وقت کے لیے یہ میرے مہمان ہیں۔آپ کی باری پرسوں آئیگی بشرطیکہ یہ یہاں سے چلے نہ گئے۔

انور علی نے فرانسس کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا۔آپ پرسوں کہاں جا رہے ہیں؟

میں پرسوں واپس فرانس جا رہا ہوں۔

لیکن اتنی جلدی کیوں؟

سرنگا پٹم میں میرا کام ختم ہو چکا ہے اور جلد از جلد واپس لوٹنا چاہتا ہوں۔

اگر یہ کوئی راز کی بات نہ ہو تو میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ وہ کیا کام تھا؟

میں جین اور لیگرانڈ کو یہ خوشخبری دینے آیا تھا کہ ان کی جلاوطنی کا زمانہ ختم ہو چکا ہے اور اب اگر یہ چاہیں تو اپنے گھر واپس جا سکتے ہیں۔فرانس کے انقلاب نے ان

کے راستے کے تمام پتھر ہٹا دیے ہیں۔

انور علی نے ایک مغموم مسکراہٹ کے ساتھ جین اور لیگرانڈ کی طرف دیکھا اور کہا۔ میں آپ کو مبارک دیتا ہوں۔

جین نے کہا۔ آپ کا شکریہ۔ لیکن ہم یہیں رہیں گے۔ ہم میسور کے ہر اُفق پر جنگ کی مہیب آندھیاں دیکھ کر بھاگنے کی کوشش نہیں کریں گے۔

کچھ دیر انور علی کے مُنہ سے کوئی بات نہ نکل سکی۔ پھر اس نے فرانسسک کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ اگر مجھے یقین ہوتا کہ میں یہیں رہوں گا تو اس بات پر اصرار نہ کرتا کہ آپ آج ہی میری دعوت قبول کریں۔ لیکن ہمیں ہر وقت کوچ کے لیے تیار رہنے کا حکم مل چکا ہے۔ میرا بھائی مُراد علی اپنے دستے کے ساتھ آج علی الصباح روانہ ہو چکا ہے۔ ممکن ہے کہ برہان الدین نے ہمیں بھی کوئی اہم فیصلہ سنانے کے لیے بُلایا ہو اور ہمیں آج غروب آفتاب سے پہلے یہاں سے کُوچ کا حکم مل جائے۔ اس صُورت میں شاید آپ سے دوبارہ نہ مل سکوں۔ بصورت دیگر آج میرے ہاں آپ سب کی دعوت ہو گی۔ میں آپ کی طرف سے موسیو لالی کو معذرت پیش کر دوں گا اور انہیں بھی وہیں بُلا لوں گا۔ پھر وہ جین کی طرف متوجہ ہوا۔ آپ ضرور آئیں۔ امی جان آپ کو بہت یاد کرتی ہیں۔

فرانسسک نے کہا۔ اگر موسیو لالی خفا نہ ہوں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔

آپ اطمینان رکھیں موسیو لالی خفا نہیں ہوں گے۔ انہیں اس بات کا علم ہے کہ آپ کی میز بانی کے لیے میرے حقوق اُن کی نسبت زیادہ ہیں۔ اگر مجھے فوراً نہ جانا پڑا تو آپ کو تھوڑی دیر تک اطلاع پہنچ جائے گی۔ اب مجھے اجازت دیجیے!

انور علی یہ کہہ کر اٹھا اور خُدا حافظ کہہ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

فرانسسک نے کہا۔ موسیو لالی بھی کہتے تھے کہ انہیں کوچ کے لیے تیار رہنے کا حکم مل چکا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اب بہت جلد کوئی اہم واقعہ پیش آنے والا ہے لیکن میں حیران ہوں کہ سُلطان نے اتنا وقت کیوں ضائع کیا۔ کوئمبٹور کا علاقہ انگریزوں کے قبضے میں چلے جانے سے میسور کے لیے خطرات بہت بڑھ گئے ہیں۔

لیگرانڈ نے جواب دیا۔ سلطان کا کوئی اقدام حکمت سے خالی نہیں ہوتا انہوں نے یہاں بیٹھ کر ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا ہے۔ اب تک اُن کی جنگی چال بہت کامیاب ہے۔ اس میں شک نہیں کہ نظام اور مرہٹوں سے ان کی مصالحانہ کوششیں کامیاب نہیں ہوئیں۔ لیکن سُلطان کو یہاں موجود پا کر وہ ابھی تک شمالی سرحد پر حملہ کرنے کی جُرات نہیں کر سکے۔ اور انگریز جنہوں نے اُن کی اعانت کی امید پر بڑے جوش وخروش کے ساتھ پیش قدمی کی تھی اب تنہا آگے بڑھنے میں خطرہ محسوس کر رہے ہیں۔ اس عرصہ میں سُلطان نے سرنگاپٹم کے دفاعی استحکامات اتنے مضبوط کر لیے ہیں کہ اگر ہمیں ہر محاذ سے پیچھے ہٹنا پڑا تو بھی ہم ایک طویل عرصہ کے لیے انگریزوں کے ساتھ لڑ سکیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ سُلطان اب پوری تیاریوں کے بعد اچانک کسی محاذ پر اپنی قوت کا مظاہرہ کر کے دشمن کو ہراساں کرنے کی کوشش کریں گے۔ اور سلطان کا حملہ جس قدر غیر موقع ہو گا۔ اسی قدر شدید ہو گا۔ اگر وہ انگریزوں کو عبرتناک شکست دے سکے تو نظام اور مرہٹے جنگ کے نقصانات میں حصہ دار بننا پسند نہ کریں گے اور وہ مصالحت پر آمادہ ہو جائیں گے۔

فرانسسک نے کہا۔ لیکن اس صورت میں انگریز خاموش نہیں بیٹھیں گے وہ پوری قوت کے ساتھ سرنگاپٹم پر یلغار کریں گے۔

لیگرانڈ مُسکرایا۔ سُلطان اس خطرے سے غافل نہیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا

ہوں کہ اس خطرے سے بچنے کے لیے جو احتیاط ممکن تھی کی جا چکی ہے۔ گجل ہٹی کے درے سے آگے انہیں ہر قدم پر شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے گا اور سلطان کا اتنا وقت ضرور مل جائے گا کہ وہ نظام اور مرہٹوں سے فارغ ہو کر انگریزوں کو راہِ راست پر لا سکیں۔

لیکن تمہیں اس بات کا یقین ہے کہ سُلطان ایک لامتناہی عرصہ کے لیے ایسٹ انڈیا کمپنی اور ہندوستان کی دو عظیم طاقتوں کا مقابلہ کر سکے گا؟

لیگر انڈ نے جواب دیا۔ جب میں پیرس میں فوجی اسکول میں تعلیم پاتا تھا تو میرا صرف یہی خیال تھا کہ جب صرف فتح کے لیے لڑی جاتی ہے لیکن یہاں آ کر میں نے ایک نیا سبق سیکھا ہے اور وہ یہ ہے کہ زندگی کے بعض مقاصد ایسے بھی ہیں جو انسان کو فتح و شکست سے بے نیاز ہو کر میدان میں کودنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔

تم ان مقاصد پر یقین رکھتے ہو؟

ہاں اگر میں ان مقاصد پر یقین نہ رکھتا تو آپ کا پیغام سُننے کے بعد فوراً یہ جواب دیتا کہ ہمیں آج ہی یہاں سے روانہ ہو جانا چاہیے۔ میں سُلطان کی فتح کے متعلق بھی مایوس نہیں ہوں۔ کیا یہ ایک معجزہ نہیں کہ میسور کی سلطنت اپنے محدود وسائل کے باوجود گزشتہ جنگ میں نظام اور مرہٹوں کی متحدہ قوت کو شکست دے چکی ہے اور انگریز جنہوں نے کلکتہ سے لے کر اودھ تک اپنے پنجے گاڑ دیے ہیں اور جن کی فوجی قوت نے ہمیں مشرق سے اپنے پاؤں سمیٹنے پر مجبور کر دیا ہے۔ حیدر علی کے زمانہ سے لے کر آج تک درپے حملوں کے باوجود اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکے۔ مجھے صرف اس بات کا افسوس ہے کہ ہم اس جنگ میں اس شخص کے حلیف نہیں بن سکے جو انگریزوں کے خلاف ہمارا بہترین ساتھی بن سکتا تھا۔ سلطان ٹیپو کا انجام خواہ

کچھ ہو ایک بات یقینی ہے کہ اب مشرق میں فرانس کا مستقبل تاریک ہو چکا ہے، ہم پانڈی چری سے اس وقت اپنی فوجیں نکال رہے ہیں جس کہ ان کی اشد ضرورت تھی۔ ہمارے غیر جانبدار رہنے کی صورت میں بھی وہاں فرانس کے آٹھ دس ہزار سپاہیوں کا اجتماع انگریزوں کو جنگ سے باز رکھ سکتا تھا۔ میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ ہم نے سُلطان کے ساتھ بد عہدی کی ہے اور قدرت ہمارا یہ جُرم معاف نہیں کرے گی۔

اس مسئلہ میں فرانس کا ہر دُور اندیش آدمی تمہارا ہم خیال ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ جب انگریز پانڈی چری پر قبضہ کرنے کی ضرورت محسوس کریں گے تو اُن کی نگاہوں میں معاہدہ وارسلیز کی تقدیس معاہدہ منگلور سے زیادہ نہیں ہو گی۔

رات کی وقت انور علی کے گھر فرانسسک کی دعوت تھی۔ موسیو لالی لیگر انڈ اور فوج کے چند اور دیسی اور فرانسیسی افسر دستر خوان پر مُوجود تھے۔ جین زنان خانے میں انور علی کی والدہ اور چند افسروں کی بیویوں کے ساتھ کھانا کھا رہی تھی۔

انور علی کے ایک دوست کی بیوی نے فرحت سے کہا۔ چچی جان آپ بھائی انور کی شادی کب کریں گی؟

فرحت نے جواب دیا۔ تمہاری بھائی کی شادی سے پہلے مجھے کسی لڑکی کو تلاش کرنا پڑے گا۔

ایک اور عورت بولی۔ چچی جان سر نگا پٹم کو وہ کون سا خاندان ہے جو آپ کے ساتھ رشتہ جوڑتے ہوئے فخر محسوس نہیں کرے گا؟

فرحت نے جواب دیا۔ رشتے تو بہت ہیں لیکن ابھی تک میرے بیٹے کو شادی کے متعلق سوچنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ اب اس نے بڑی مشکل سے یہ وعدہ کیا ہے کہ جنگ کے بعد کوئی عذر پیش نہیں کرے گا۔

ایک شوخ لڑکی نے آہستہ سے جین کے کان میں کہا۔ جین اگر میں مرد ہوتی تو تمہیں دیکھ لیتی تو مجھے تمام عمر کوئی لڑکی پسند نہ آتی۔

جین نے قدرے تلخ ہو کر کہا۔ میں تمھارا مطلب نہیں سمجھی؟

میرا مطلب یہ ہے کہ تم بہت حسین ہو اور اگر انور علی یہاں کی لڑکیوں کو تمہارے معیار پر پرکھنے کی کوشش کی تو چچی جان کے لیے اس کی پسند کا رشتہ تلاش کرنا بہت مشکل ہو گا۔

جین نے کہا۔ لیکن تمہیں یہ خیال کیسے آیا کہ مجھے دیکھنے سے پہلے انور علی کا معیار پست تھا۔

جین بیٹی کیا بات ہے؟ فرحت نے دستر خوان کے دوسرے سرے سے سوال کیا۔

جی کچھ نہیں۔

چند عورتیں کھانا کھاتے ہی اپنے گھروں کو چلی گئیں لیکن باقی وہیں بیٹھی رہیں، نو بجے کے قریب فرحت کا چہرہ مغموم دکھائی دیتا تھا اور جین مہمان عورتوں میں دلچسپی لینے کی بجائے بار بار اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ بالآخر وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور آگے بڑھ کر فرحت کے قریب بیٹھ گئی۔

آپ کو مراد علی کے متعلق فکرمند نہیں ہونا چاہیے۔ اس نے کہا۔

فرحت نے شفقت سے اس کی طرف دیکھا اور بولی۔ بیٹی اس عمر میں ایک بیوی کے لیے یہ آزمائش بہت کڑی ہے۔ میرا خیال تھا کہ شاید انور علی چند دن میرے پاس رہے گا لیکن وہ بھی آج ہی جا رہا ہے۔

کب؟ جین نے چونک کر سوال کیا۔

ابھی تھوڑی دیر تک وہ یہاں سے روانہ ہو جائے گا۔

لیکن انہوں نے ہمیں نہیں بتایا۔

بیٹی اس کا خیال تھا کہ بعض مہمانوں کے لیے یہ دعوت بے لطف ہو جائے گی۔ پھر وہ کسی ایسی مہم پر جا رہا ہے جس کے متعلق کوئی خبر ظاہر کرنا مناسب نہ تھا۔

خادمہ کمرے میں داخل ہوئی اور اس نے فرحت کے بازو پر ہاتھ رکھ کر اُسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

فرحت اس سے کچھ پوچھے بغیر اٹھی اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

جین نے اپنے دل میں ناخوشگوار اور دھڑکنیں محسوس کیں۔ چند منٹ توقف کے بعد وہ اٹھی اور کمرے سے باہر نکل کر برآمدے میں آ گئی۔ اس کا اندازہ صحیح تھا۔ صحن میں انور علی اپنی ماں کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ جھجکتی ہوئی آگے بڑھی اور ان سے تھوڑی دُور برآمدے کے ایک ستون کے پیچھے کھڑی ہو گئی۔

انور علی کہہ رہا تھا۔ امی جان آپ کو فکر مند نہیں ہونا چاہیے مجھے یقین ہے کہ یہ جنگ بہت جلد ختم ہو جائے گی اور ہم سرخرو ہو کر واپس آئیں گے۔ میرا خیال ہے کہ ہماری فوج کے یورپین سپاہی بھی بہت جلد یہاں سے کُوچ کر جائیں گے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ لیگرانڈ کی غیر حاضری کے دوران میں جین کو اپنے پاس بُلا لیں۔ اب مجھے اجازت دیجیے۔

ماں نے کہا۔ لیکن تم جین کو الوداع نہیں کہو گے؟

امی جان اب وقت نہیں آپ میری طرف سے معذرت کر دیجیے گا۔

جین آگے بڑھ کر کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن اس کی قوتِ فیصلہ جواب دے چکی تھی۔

انور علی نے اپنی ماں کو خدا حافظ کہا اور تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا صحن سے باہر نکل گیا۔

فرحت دیر تک دروازے کی طرف دیکھتی رہی۔

جین قدرے توقف کے بعد آگے بڑھی اور اس نے فرحت کے قریب پہنچ کر مغموم لہجے میں کہا۔ امی جان چلیے۔

فرحت نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا اور اپنا ہاتھ اس کے کندھے پر رکھ دیا۔

باہر مہمان خانے میں انور علی کے دوست کھانا کھانے کے بعد خوش گپیوں میں مصروف تھے ایک نوجوان نے پوچھا۔ بھئی انور علی بہت دیر لگائی وہ کہاں چلے گئے ہیں؟

لیگرانڈ نے جواب دیا۔ وہ کسی ضروری کام سے اندر گئے ہیں ابھی آ جائیں گے۔

چند منٹ بعد انور علی کمرے میں داخل ہوا اور فرانسسک نے کہا۔ موسیو آپ نے بہت دیر لگائی۔

انور علی نے جواب دیا۔ معاف کیجیے میں پانی امی جان سے رخصت لینے گیا تھا۔

آپ کہیں جا رہے ہیں؟

ہاں۔

کہاں؟

یہ مجھے معلوم نہیں۔ میں صرف یہ جانتا ہوں کہ مجھے دس بجے مستقر میں حاضری دینی ہے اور اس کے بعد رات کو کسی وقت ہمیں یہاں سے کوچ کرنا ہے۔

لیکن آپ نے مجھے پہلے نہیں بتایا ورنہ میں آپ کو اس تکلف کی اجازت نہ دیتا۔

میں نے کوئی تکلف نہیں کیا۔ افسوس اس بات کا ہے کہ مجھے آپ کی خدمت کا زیادہ موقع نہیں ملا۔

مہمان اُٹھ کر کھڑے ہو گئے اور لالی نے کہا۔ میرا خیال ہے اب ہمیں بھی رخصت لینی چاہیے۔ تھوڑی دیر بعد مہمان کمرے سے باہر نکل کر ڈیوڑھی کے سامنے کھڑے تھے اور انور علی باری باری ان سے مصافحہ کر رہا تھا۔ جب لیگرانڈ کی باری آئی تو اس نے کہا۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کے دستے کو بھی یہاں سے بہت جلد کوچ کرنا پڑے گا اور ہماری دوسری ملاقات جنگ کے کسی میدان میں ہو گی۔

لیگرانڈ نے کہا۔ اگر ہمیں کسی دوسرے محاذ پر بھیجا گیا تو ہماری ملاقات بہت جلد ہو گی۔

موسیو لالی نے مجھے بتایا ہے کہ ہمیں دو دن کے اندر اندر یہاں سے کوچ کرنا پڑے گا۔

بہت اچھا۔ اب مہمانوں کو رخصت کرنا آپ کے ذمے ہے۔

انور علی کا نوکر پاس ہی گھوڑے کی باگ تھامے کھڑا تھا۔ وہ آگے بڑھا اور گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ شوخ اور تند گھوڑا چھلانگیں لگاتا ہوا رات کی تاریکی میں غائب ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد لیگرانڈ، فرانسسک اور جین کے ساتھ اپنے مکان کا رُخ کر رہا تھا۔ راستے میں فرانسسک نے پوچھا۔ لیگرانڈ جب انور علی کھانا کھاتے ہی اُٹھ کر باہر نکل گیا تھا تو تمھیں معلوم تھا کہ وہ اپنی والدہ سے رُخصت لینے گیا ہے؟

جی ہاں ۔اس نے مجھے بتایا تھا کہ مہمانوں کو کھانا کھلاتے ہی کسی مہم پر روانہ ہو جاؤنگا۔

لیکن تم نے مجھے کیوں نہ بتایا؟

انور علی نے مجھے منع کیا تھا۔یہ لوگ کھانے کے وقت اپنے مہمانوں کو پریشان کرنا مناسب نہیں سمجھتے۔

چودھواں باب

”دشمن ہمارے جاسوسوں کی اطلاع سے پہلے ہمارے سر پر پہنچ چکا ہے۔ کرنل فلائڈ کے دستے اس کا راستہ نہیں روک سکے۔ ہمارے لیے کوئمبتور کی طرف پسپا ہونے کے سوا کوئی چارہ نہیں“۔

پیشتر اس کے کہ جنرل میڈوز اس قسم کی ناقابلِ یقین اطلاعات کی تصدیق کر سکتا۔ سُلطان ٹیپو کی افواج ایک حیرت انگیز رفتار کے ساتھ یلغار کر کے سیتا منگلم کے قلعے پر قبضہ کر چکی تھیں اور کرنل فلائڈ اپنا توپ خانہ اور سامانِ رسد کی سینکڑوں گاڑیاں دشمن کے قبضہ میں چھوڑ کر بھاگ رہا تھا۔ ستیا منگلم سے اُنیس میل دور انگریزوں کی شکست خوردہ فوج مکمل طور پر دشمن کے نرغے میں آ چکی تھی۔ لیکن عین اس وقت جبکہ میسور کے طوفانی دستے فیصلہ کُن حملہ کر چکے تھے اور انگریزوں کی مکمل تباہی یقینی ہو چکی تھی۔ میسور کی فوج کا قابل ترین جرنیل اور سُلطان کا برادرِ نسبتی برہان الدین شہید ہو گیا اور وہ سپاہی اور افسر جو اسے سُلطان ٹیپو کے بعد میسور کے اسلحہ خانے کی بہترین تلوار سمجھتے تھے، دشمن کے بچے کھچے دستوں کا تعاقب کرنے کی بجائے اس کی لاش کے گرد جمع ہو رہے تھے۔

سرنگا پٹم سے سلطان کی روانگی اور انگریزوں کی اس عبرتناک شکست کے درمیان صرف بارہ دن کا وقفہ تھا اور ان بارہ دنوں میں کم از کم آٹھ دن ایسے تھے جب کہ انگریزی فوج سلطان کی پیش قدمی سے قطعاً بے خبر تھی اور باقی چار دنوں میں انگریز اتنا نقصان اُٹھا چکے تھے کہ ان کی جارحانہ جنگ مدافعانہ لڑائی میں تبدیل ہو چکی تھی۔ تاہم سُلطان کے نزدیک کوئی بڑی سے بڑی کامیابی بھی برہان الدین کا بدل نہیں ہو سکتی تھی۔

عشرہ محرم میں دریائے بھوانی کے کنارے پڑاؤ ڈالنے کے بعد سلطان نے پیش قدمی کی اور ایروڈ پر قبضہ کرلیا۔ اس عرصہ میں کرنل فلائڈ کے بقیۃ السیف دستے کوئمبٹور میں جنرل میڈوز کی فوج کے ساتھ شامل ہو چکے تھے اور پال گھاٹ سے انگریزی فوج کی ایک اور ڈویژن بھی، جسے سلطان کی اچانک پیش قدمی کے باعث واپس بلالیا گیا تھا۔ کوئمبٹور پہنچ چکی تھی۔ سلطان نے ایروڈ سے جنوب کی طرف پیش قدمی کی اور اچانک انگریزوں کی اس فوج کا راستہ روک لیا جو کرور سے رسد اور جنگی سامان کے بہت بڑے ذخیرے لے کر کوئمبٹور کا رخ کر رہی تھی۔ جنرل میڈوز نے یہ اطلاع پاتے ہی کوئمبٹور سے پیش قدمی کی۔ لیکن کوئمبٹور سے چند منازل دور پہنچ کر اُسے یہ اطلاع ملی کہ سلطان ٹیپو اس کی رسد اور کمک کے قافلے پر حملہ کرنے کی بجائے راتوں رات یلغار کرکے کوئمبٹور پہنچ چکا ہے۔ جنرل میڈوز بدحواس ہو کر اپنے ہیڈ کوارٹر کو بچانے کے لیے واپس مڑا لیکن راستے میں اُسے اطلاع ملی کہ میسور کا لشکر کوئمبٹور کی بجائے دھاراپورم کے دروازوں پر دستک دے رہا ہے۔

دو دن بعد اُسے یہ اطلاع ملی کی دھاراپورم کے قلعے پر اب ایسٹ انڈیا کمپنی کی بجائے سلطان کا پرچم لہرا رہا ہے۔ اس کے بعد جنرل میڈوز کو یہ معلوم نہ تھا کہ سلطان ٹیپو کا اگلا قدم کیا ہوگا۔ کوئمبٹور میں ٹھہرنا کوئمبٹور سے باہر نکل کر کسی اور میدان میں سلطان کا مقابلہ کرنا اپنے لیے یکساں خطرناک سمجھتا تھا۔ کوئمبٹور کی جنگ کا نقشہ سراسر بدل چکا تھا اور پہل اب مکمل طور پر سلطان ٹیپو کی ہاتھ میں تھی۔ جنرل میڈوز کے لیے صرف ایک خبر حوصلہ افزا تھی اور وہ یہ کہ بنگال کی جس فوج نے بارہ محل کی طرف پیش قدمی کی تھی وہ میسور کی چند سرحدی چوکیوں پر قبضہ کرنے کے بعد کرشن گری تک پہنچ چکی تھی۔

سُلطان ٹیپو، قمر الدین خاں کی کمان میں فوج کے چند دستے چھوڑ کر اچانک دھاراپورم سے نکلا اور چند دن بعد جنرل میڈوز حیرت و استجاب کے عالم میں یہ خبر سن رہا تھا کہ کرشنا گری کی طرف پیش قدمی کرنے والی انگریزی سپاہ کا ہراول سلطان کے طوفانی دستوں کے ہاتھوں بُری طرح پٹ چکا ہے۔ اور بنگال سے آنے والی کمک کے دس ہزار سپاہیوں کے مکمل طور پر کٹ جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔

جنرل میڈوز نے فوراً بارہ محل کی طرف پیش قدمی کی۔ سلطان ٹیپو انگریزوں کی دو طاقتور افواج کے درمیان گھر جانے کا خطرہ محسوس کرتے ہوئے مغرب کی طرف بڑھا۔ اس کی تیز رفتاری کا یہ عالم تھا کہ چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر اس کی فوج اپنے بھاری توپ خانے اور پورے جنگی سازو سامان کے ساتھ پہاڑوں اور جنگلوں کے راستے پینتالیس میل سفر کرکے بالاگڈھ کے درے کے قریب پہنچ چکی تھی۔

جنرل میڈوز کی افواج کاویری پنام کے مقام پر بنگال کی افواج سے آملیں اور متحدہ لشکر نے سلطان کے ساتھ فیصلہ کن جنگ لڑنے کی نیت سے درہ تھوپو کی طرف پیش قدمی کی۔ جنرل میڈوز نے پوری شدت کے ساتھ حملہ کیا۔ لیکن اسے سلطان کا راستہ روکنے میں کامیابی نہ ہوئی۔ اس ناکامی کے بعد جنرل میڈوز سرے حملے کی تیاری کر رہا تھا کہ سُلطان اچانک درہ عبور کرکے ایک آندھی کی طرح کرناٹک کے طرف بڑھا۔ اور جنرل میڈوز جو میسور کے وسطی اضلاع کی طرف دیکھ رہا تھا۔ پھر ایک بار ایک غیر متوقع صورتِ حال کا سامنا کر رہا تھا۔ چند دنوں میں کئی اہم قلعوں پر قبضہ کرنے کے بعد سُلطان کا لشکر ترچناپلی کے قریب پہنچ چکا تھا۔

جنرل میڈوز کے وسطی اضلاع پر حملے کا خیال چھوڑ کر ترچناپلی کی حفاظت کے لیے مغرب کی طرف بڑھا لیکن اس اثنا میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا پیمانہ صبر لبریز ہو چکا

تھا۔ جنگ کے آغاز میں جنرل میڈوز نے جو شاندار کامیابیاں حاصل کی تھیں وہ اب عبرتناک شکستوں میں تبدیل ہو رہی تھیں۔ انگریزوں کے لیے اب یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ انہوں نے فوراً کوئی شاندار کامیابی حاسل نہ کی تو نظام اور مرہٹے مایوس اور بددل ہو کر ان کا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ چنانچہ ترچنا پلی سے تھوڑی دُور جنرل میڈوز کو یہ اطلاع ملی کے لارڈ کارنوالس فوج کی کمان اپنے ہاتھ میں لینے کے لیے کلکتہ سے مدراس پہنچ چکا ہے۔

جنگ کا پہلا دور ختم ہو چکا تھا جنرل میڈوز کی عظیم فوج کئی محاذوں پر شکست کھا چکی تھی۔ اس کے بہترین جرنیل سلطان ٹیپو کی جنگی چالوں کے مقابلے میں عاجز تھے۔ شیر میسور نے ترچناپلی کی تسخیر وقت ضائع کرنے کی بجائے فرانسیسوں کی اعانت حاصل کرنے کی اُمید پر پانڈی چری کے قریب پہنچ کر پڑاؤ ڈال دیا اور کارنوالس ارکاٹ سے لے کر مدارس تک مغربی ساحل پر اپنے تمام اہم قلعوں کے لیے خطرہ محسوس کرنے لگا۔ انگریزوں نے گزشتہ چند ماہ میں اگر کوئی قابل ذکر کامیابی حاصل کی تھی تو وہ یہ تھی کہ مشرق اور مغرب کے کئی محاذوں پر سُلطان کی مصروفیت سے فائدہ اٹھا کر بمبئی کی فوج نے کنانور اور مالابار کے چند اور قطعوں پر کسی قابلِ ذکر مدافعت کا سامنا کیے بغیر قبضہ کر لیا تھا۔

شمال کے محاذ پر نظام اور مرہٹوں کی افواج نے سرنگاپٹم سے ٹیپو کی پیش قدمی کی اطلاع پاتے ہی حملہ کر دیا تھا۔ لیکن ابھی تک انہیں کوئی خاص کامیابی حاصل نہ ہوئی تھی۔ مرہٹے چند غیر اہم سرحدی چوکیوں پر قبضہ کرنے کے بعد اپنی ساری قوت دھاڑواڑ کا قلعہ پر قبضہ کرنے پر صرف کر رہے تھے اور یہاں بدرالزماں خاں کی قیادت میں سُلطان کے دس ہزار جانباز مسلسل چار ماہ سے انہیں عبرتناک شکستیں

دے رہے تھے اور نظام کی فوج کی کارگزاری کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنی ساری قوت صرف کرنے کے باوجود کوپال کا قلعہ فتح کرنے میں کامیاب نہ ہوسکی۔

ایک رات پانڈی چری سے کچھ دُور سُلطان کے پڑاؤ میں چند سرپٹ سوار داکل ہوئے وہ سلطان کے خیمے کے قریب پہنچ کر گھوڑوں سے اُتر پڑے اور ان میں سے ایک تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا آگے بڑھا۔ یہ انور علی تھا۔

دروازے پر پہرے داروں نے اسے سلامی دی اور ایک افسر نے ہاتھ کے اشارے سے اس کا راستہ روکنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ جناب آپ کچھ دیر انتظار کریں سلطانِ معظم اس وقت بہت مصروف ہیں۔

لیکن انور علی نے برہم ہوکر جواب دیا۔ تم میرا وقت ضائع کر رہے ہون۔ اور کسی جھجک کے بغیر خیمے کے اندر داخل ہوگیا۔

سلطان ایک کشادہ میز کے سامنے بیٹھا ہوا تھا اور اس کے دائیں بائیں اور سامنے فوج کے آٹھ چیدہ چیدہ افسر کھڑے تھے۔ انور علی نے آگے بڑھ کر سلام کیا ور وہ افسر جو سلطان کے سامنے کھڑے تھے ایک طرف ہوگئے۔

سلطان نے کہا۔ انور علی تمہارا چہرہ بتا رہا ہے کہ تم کوئی اچھی خبر نہیں لائے ہو!

انور علی نے کہا۔ عالیجاہ! کارنوالس چتوڑ سے صرف بارہ میل دُور رہ گیا ہے ہم نے کل شام ارکاٹ اور چتوڑ کے درمیان اس کی رسد لے جانے والی فوج پر حملہ کیا تھا اور ۱۳۰ گاڑیاں چھین لی تھیں۔ ہمارے آٹھ اور دشمن کے ڈیڑھ سو آدمی ہلاک ہوئے۔ سپہ سالار کا خیال ہے کہ کارنوالس بنگلور کا راستہ صاف کرنے کے لیے کولار پر قبضہ کرنے کی کوشش کریگا اور کولار کی فوج موجودہ نفری کے ساتھ چند گھنٹوں سے زیادہ اس کا راستہ نہیں روک سکتی۔

میں تمہارے آنے سے پہلے سید احمد کو یہ حکم بھیج چکا ہوں کہ اسے سر دست دشمن کا سامنا کرنے کی بجائے صرف اس کے عقب میں حملہ کرنے پر اکتفا کرنا چاہیے۔

لیکن عالیجاہ منگلور کے لیے خطرہ پیدا ہو چکا ہے۔

ہمیں معلوم ہے۔ لیکن ہمارے سامنے صرف ایک خطرہ نہیں۔ تم ایسے وقت آئے ہو جب ہمیں کولار سے زیادہ اہم محاذ پر تمہاری خدمات کی ضرورت ہے ہم تمہیں دھاڑواڑ بھیجنا چاہتے ہیں۔ بدرالزمان نے اطلاع بھیجی ہے کہ دھاڑواڑ میں بارود کے ذخیرے ختم ہونے والے ہیں اور دشن کے محاصرے نے اکثر سپاہیوں کو بددل کر دیا ہے۔ تم یہاں پانچ سو سپاہی لے کر آج ہی پچھلے پہر روانہ ہو جاؤ۔ بارود اور رسد کی گاڑیاں تمہیں راستے میں چتل ڈرگ سے مہیا کی جائینگی۔ دھاڑواڑ میں چند اچھے توپچیوں کی ضرورت ہے اور لالی اپنے توپ خانے کے چند آدمی تمہارے راستے روانہ کرے گا۔ اب تمہارے ذمے دو کام ہیں۔ ایک یہ کہ تم جلد از جلد چتل ڈرگ سے اسلحہ اور بارود لے کر دھاڑواڑ پہنچ جاؤ۔ دشمن کی نظروں سے بچ کر قلعے میں داخل ہونا ایک مشکل کام ہے لیکن میں تمہاری ذہانت اور فرض شناسی پر اعتماد کر سکتا ہوں۔ تمہارے ذمہ دوسرا کام یہ ہے کہ تم قلعے کے محافظوں کے حوصلے بلند رکھو اور بدرالزمان کو میرے طرف سے یہ پیغام دو کہ میں دھاڑواڑ کو سرنگاپٹم کا دروازہ سمجھتا ہوں۔ یہ اس کا فرض ہے کہ وہ دھاڑواڑ کو بچانے کی ہر ممکن کوشش کرے، اُسے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ وہ صرف ہمارے ایک دُور افتاد قلعے کی حفاظت کر رہا ہے بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ مرہٹوں کو دھاڑ واڑ میں روک کر ہمیں انگریزوں کے ساتھ نپٹنے کا موقع دے رہا ہے۔ اگر اس نے دھاڑواڑ کا قلعہ خالی کر دیا تو مرہٹے تمام شمالی اضلاع میں تباہی کا طوفان کھڑا دیں گے۔

چتل ڈرگ سے آگے دشمن کی نظروں سے بچ کر دھاڑواڑ پہنچنے کے لیے تمہیں ایک تجربہ کار رہنما کی ضرورت پڑے گی۔ اس لیے ہم یہ چاہتے ہیں کہ تم ڈھونڈیا داغ کو اپنے ساتھ لے جاؤ صبح روانہ ہونے سے پہلے تمہیں تحریری احکام مل جائیں گے۔

رات کے پچھلے پہر کسی نے انور علی کو بازو سے پکڑ کر جھنجوڑا اور اس نے گہری نیند سے بیدار ہو کر آنکھیں کھول دیں۔ خیمے کے ایک کونے میں چراغ روشن تھا۔ اس کا اردلی اور ڈھونڈیا داغ اس کے بستر کے قریب کھڑے تھے۔

چار بجنے والے ہیں۔ ڈھونڈیا غ نے کہا۔

تم نے مجھے تین بجے کیوں نہیں جگایا؟ انور علی نے غصے سے اردلی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اردلی کی بجائے ڈھونڈیا داغ نے جواب دیا۔ مجھے معلوم تھا کہ آپ بہت تھکے ہوئے ہیں۔ اس لیے میں نے اسے کہا تھا کہ سپاہیوں کے تیار ہونے تک آپ کو آرام کرنے دے۔ آپ چار بجے روانہ ہونا چاہتے تھے اور ابھی چار بجنے میں چند منٹ باقی ہیں۔

میں اندر آ سکتا ہوں؟ کسی نے باہر سے فرانسیسی زبان میں کہا۔

کون؟ لیگر انڈ آیئے!

لیکن آپ اس وقت؟ انور علی نے اسکی طرف جواب طلب نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کاہ۔

میں آپ کیس اتھ جا رہا ہوں۔ اور مجھے آپ سے شکایت ہے کہ رات آپ نے موسیو لالی سے جو سات آدمی مانگے تھے ان میں میرا نام نہیں تھا۔

موسیو لای نے اپنے مرضی سے آدمیوں کا انتخاب کیا تھا لیکن اگر وہ مشورہ

لیتے تو بھی میں انہیں یہ نہ کہتا کہ مجھے اس مہم کے لیے تمہاری ضرورت ہے۔

کیوں؟

اس لیے کہ موسیو لالی کو یہاں آپ کی زیادہ ضرورت ہے اور مجھے یقین تھا کہ وہ آپ کو کہیں اور بھیجنا پسند نہیں کریں گے۔

لیگرانڈ نے کہا۔ موسیو لالی سے آپ کے ساتھ جانے کی اجازت لینے کے لیے مجھے بے حد اصرار کرنا پڑا۔

آپ کو اصرار نہیں کرنا چاہیے تھا۔ انور علی نے قدرے برہم ہو کر کہا۔ پھر وہ ڈھونڈیا داغ کی طرف متوجہ ہوا۔ آپ تھوڑی دیر خیمے سے باہر انتظار کریں۔ مجھے لباس تبدیل کرنے میں دو منٹ لگیں گے۔

ڈھونڈیا داغ، انور علی کا اردلی اور لیگرانڈ خیمے سے باہر نکل گئے۔

تھوڑی دیر بعد انور علی کی کمان میں پانچ سو سوار شمال مغرب کا رُخ کر رہے تھے۔ ڈھونڈیا داغ کا گھوڑا سب سے آگے تھا اور اس کے ساتھ کسی سپاہی یا افسر کو یہ جاننے کی ضرورت نہ تھی کہ وہ کون سا راستہ اختیار کر رہے ہیں۔

ڈھونڈیا داغ چھیناگری سے ایک مرہٹہ خاندان کا چشم و چراغ تھا اور وہ ان حریت پسندوں میں سے ایک تھا جو حیدر علی کو ہندوستان کی آزادی کا پاسبان سمجھ کر اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے تھے۔ میسور کی پنڈارہ فوج کے ایک دستے کی کمان حاصل کرنے کے بعد وہ انگریزوں اور مرہٹوں کے خلاف کئی معرکوں میں حصہ لے چکا تھا اور سلطان ٹیپو کے ایک جاں نثار کی حیثیت میں اس نے غیر معمولی کامیابیاں حاصل کیں۔ انوکھے رنگ اور میانے قد کا یہ انسان جس کی آنکھیں چیتے کی طرح چمکتی تھیں اپنے دوستوں اور دشمنوں کے لیے ایک معما تھا۔ جنگ اس کے لیے ایک

کھیل تھا۔ وہ کئی کئی میل پیدل بھاگ سکتا تھا اور تھکاوٹ، بھوک، پیاس اور نیند کا احساس کیئے بغیر پہروں گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھ سکتا تھا۔ اسے دن کی روشنی کی بجائے رات کی تاریکی زیادہ پسند تھی۔ میسور کے جنگلوں اور پہاڑوں کے تمام راستے اس کے دل پر نقش تھے۔ مرہٹے جنہیں اس نے گزشتہ جنگلوں میں سب سے زیادہ نقصان پہنچایا تھا اس کے سر کے لیے انعام مقرر کر چکے تھے اور اب وہ انور علی کے ساتھ دھاڑواڑ کا رُخ کرتے ہوئے اس بات پر مسرور تھا کہ اُسے ایک ایسے محاذ پر بھیجا جا رہا ہے جہاں اُسے اپنے جوہر دکھانے کے لیے بہترین موقع میسر آ سکتے ہیں۔

ایک ندی عبور کرنے کے بعد اس نے اپنا گھوڑا انور علی کے ساتھ ملاتے ہوئے کہا میں یہاں بے کار تھا۔ رات کے وقت پہریداروں میں شامل ہو کر دشمن کے پڑاو کی سیر کرنا میری زندگی کی سب سے بڑی دلچسپی ہے میں چہرے پر غازہ مل کر بھی انگریزوں کو دھوکا نہیں دے سکتا کیونکہ مجھے اُن کی زبان نہیں آتی۔ لیکن مرہٹوں کے پڑاؤ میں تو میں دن کے وقت بھی یہ محسوس کیا کرتا ہوں کہ میں اپنے گاؤں میں پھر رہا ہوں۔

لارڈ کارنوالس نے مختلف محاذوں سے ایسٹ انڈیا کمپنی کی شکست خوردہ افواج کو جمع کرنے کے بعد پیش قدمی کی اور رولور، چتوڑ اور پامانیر کے درمیان ایک طویل چکر کاٹنے کے بعد میسور میں داخل ہو گیا۔ اس کے بعد اس کا رُخ منگلور کی طرف تھا۔ سُلطان ٹیپو ترچناپلی سے یلغار کرتا ہوا منگلور پہنچا۔ راستے میں ہی اسے یہ اطلاع مل چکی تھی کہ منگلور کا فوجدار سید پیر اور ایک اور فوجی افسر راجہ رام چندر دشمن کے ساتھ سازباز کر رہے ہیں۔ سلطان نے منگلور پہنچتے ہی انہیں گرفتار کر لیا اور بہادر

خاں کو جو اس سے قبل کرشنا گری کے فوجدار کی حیثیت سے قابلِ قدر خدمات انجام دے چکا تھا۔ منگلور کا محافظ مقرر کیا۔ اس عرصہ میں لارڈ کارنوالس کسی قابلِ ذکر مدافعت کا سامنا کیے بغیر کولار اور ہوسکوٹ پر قبضہ کر چکا تھا۔ سلطان منگلور کی حفاظت کے لیے دو ہزار سپاہی چھوڑ کر انگریزی فوج کے مقابلے کے لیے نکلا۔ اس نے منگلور سے دس میل کے فاصلے پر انگریزی فوج کے عقب میں حملہ کر کے رسد اور بارود کی کئی گاڑیاں چھین لیں۔

اگلی شام میسور کے ایک ہزار سوار اچانک کمپنی کی اس فوج کے سامنے نمودار ہوئے جو کرنال فلائڈ کی کمان میں منگلور کی مشرقی جناب پہنچ چکی تھی۔ کرنل فلائڈ نے ان پر حملہ کیا اور میسور کے سوار کچھ دیر سختی سے مقابلہ کرنے کے بعد جنوب مغرب کی طرف ہٹ گئے۔ فلائڈ نے ان کا تعاقب جاری رکھا۔ لیکن تھوڑی دیر بعد اُسے یہ معلوم ہوا کہ وہ سلطان کی پوری فوج کی زد میں آچکا ہے۔ سُلطان کا حملہ اس قدر شدید تھا کہ آن کی آن میں انگریز سواروں کے دستے چار سو لاشیں میدان میں چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ فلائڈ بذاتِ خود زخمی ہو کر گھوڑے سے گر پڑا۔ لیکن اس کے ساتھی اسے نکال کر لے گئے۔ انگریزوں کی خوش قسمتی سے رات ہو چکی تھی اور میسور کے سواروں نے تاریکی میں دشمن کا تعاقب کرنا مناسب خیال نہ کیا۔ اگلی صبح ایک سو زخمی انگریز جنہیں سلطان کے سپاہیوں نے قید کر لیا تھا لارڈ کارنوالس کے کیمپ میں حاضر ہوئے اور انہوں نے بتایا کہ سُلطان نے ہماری مرہم پٹی کرنے کے بعد ہمیں رہا کر دیا ہے اور ہمیں بخشیش کے طور پر ایک ایک روپیہ دیا ہے۔

کارنوالس کے میدان میں آتے ہی جنگ ایک نئے دور میں داخل ہو چکی تھی اور نظام

ا۔ یہاں میسور سے مُراد سلطنتِ خداداد نہیں بلکہ میسور کا ضلع ہے۔

اور مرہٹے انگریزوں کو اپنی نمائش کارگزاری دکھانے کی بجائے پوری قوت میدان میں لا چکے تھے۔ سلطان ٹیپو نے اپنی فوج کا ایک حصہ اہم قلعوں کی حفاظت کے لیے شمال کی طرف منتقل کر دیا۔ اب دشمن کے ساتھ کسی ایک میدان میں جم کے لڑنے کی بجائے اس کی کوشش یہ تھی کہ اہم ترین محاذوں پر اس کی رسد اور کمک کے راستے مسدود کر دیے جائیں اور اس کے بعد پے در پے حملوں سے اسے ہراساں کیا جائے۔ چنانچہ بنگلور کے سامنے ڈیرہ ڈالنے کے بعد لارڈ کارنوالس یہ محسوس کر رہا تھا کہ وہ ایک دلدل میں پھنس چکا ہے۔ ارکاٹ سے اس کے گھوڑوں کے لیے چارے اور سپاہیوں کے لیے غلے کی جو گاڑیاں آتی تھیں۔ ان میں سے بیشتر میسور کے چھاپہ مار دستوں کے قبضہ میں چلی جاتی تھیں۔

سُلطان نے فلائڈ کے دستوں کو شکست دینے کے بعد منگلور سے چند میل دُور ہٹ کر کنگری میں اپنا عارضی مستقر بنا لیا۔ کارنوالس نے اس امید پر منگلور کی طرف پیشقدمی کی تھی کہ نظام اور مرہٹوں کی فوجیں منگلور کی فتح میں حصہ دار بننے کے لیے پہنچ جائیں گی لیکن وہ الٹا اسے اپنی مدد کے لیے شمال کا رُخ کرنے کی دعوت دے رہے تھے۔ وقت اب لارڈ کارنوالس کے خلاف جا رہا تھا اور اُسے اپنی ابتدائی کامیابیاں اپنے تازہ نقصانات کے مقابلے میں بے حقیقت معلوم ہوتی تھیں۔ رسد اور چارے کی کمی پورا کرنے کے لیے وہ منگلور پر فوراً قبضہ کرنا ضروری سمجھتا تھا۔ فوجی لحاظ سے بھی جنوب مشرق کے ہر شہر کے مقابلے میں منگلور کی اہمیت بہت زیادہ تھی۔ منگلور کی کشادہ سڑکیں، عالیشان مکانات اور تجارتی منڈیاں ہندوستان بھر میں مشہور تھیں۔ صنعت و حرفت کے لحاظ سے بھی یہ شہر سرنگا پٹم کے سوا ہندوستان

کے تمام شہروں سے آگے تھا۔ سلطان کی فوج کے لیے اسلحہ اور بارود کی ضرورت کا ایک بڑا حصہ یہیں کے کارخانوں سے پورا ہوتا تھا۔ اس شہر کے فصیل کے گرد بیس فٹ گہری خندق تھی جو بانس اور خاردار جھاڑیوں کے گھنے جنگل سے گھری ہوئی تھی۔ شہر کے چار دروازے کافی مضبوط تھے، قلعہ شہر کے جنوبی کنارے پر تھا جس کا رقبہ قریباً ایک مربع میل تھا اور اس کی بلند اور کشادہ فصیل پر چھبیس بُرج تھے اور ہر برج میں تین تین توپیں نصب تھیں۔ شہر کی طرح قلعے کی خندق بھی کافی گہری تھی۔

۷ مارچ کے دن انگریزوں نے شہر پر حملہ کیا اور منگلور کی فضا انگریزوں کی بھاری توپوں کے دھماکوں سے گونج اٹھی۔ پھر ایک گمسان کی جنگ اور شدید نقصانات کے بعد انگریزوں نے شہر پر قبضہ کرلیا اور محافظ فوج قلعے کے اندر پناہ لینے پر مجبور ہوگئی۔ شہر کی بیشتر آبادی انگریزوں کے حملے سے پہلے ہی وہاں سے ہجرت کرچکی تھی۔ تاہم اب تک ہزاروں مرد او عورتیں انگریزوں کی وحشت اور بربریت کا مظاہرہ دیکھنے کے لیے موجود تھے۔ لارڈ کارنوالس اپنی آنکھوں سے بے کس عورتوں پر اپنے سپاہیوں کی دست اندازی دیکھ رہا تھا اور اپنے کانوں سے ان کی چیخ و پکار سُن رہا تھا اس کے ساتھ مورخ بھی تھے جنہیں لارڈ کارنوالس کو ہندوستان کا نجات دہندہ اور سُلطان ٹیپو کو ایک جابر اور ظالم حکمران ثابت کرنے کی خدمت سونپی گئی تھی۔ لیکن انگریزی فوج کی لوٹ مار، سفاکی اور بربریت کے متعلق کے متعلق ان کی زبانیں گنگ تھیں۔ کارنوالس کی فوج نے مالِ غنیمت میں لاکھوں روپے کے زیورات جمع کیے۔ غلے اسلحہ اور بارود کے چند بڑے بڑے ذخیرے بھی ان کے ہاتھ آگئے لیکن میسور کے سپاہی چارے کے بیشتر درختوں کو آگ لگا چکے تھے۔

سُلطان ٹیپو کے لیے منگلور کے شہر کا اتنی جلدی فتح ہو جانا غیر متوقع تھا۔ اس نے فوراً کنگری سے پیش قدمی کی اور چند گھنٹوں کے اندر اندر منگلور کے سامنے پہنچ گیا۔ پہلے حملے میں چھ ہزار سپاہی شہر میں داخل ہو گئے لیکن انہیں زیادہ دیر شہر پر قبضہ رکھنے میں کامیابی نہ ہوئی۔ تاہم شہر پر سلطان کا پہلا حملہ پسپا کرنے میں لارڈ کارنوالس کی خوشی بہت عارضی ثابت ہوئی۔ سلطان ٹیپو نے شہر کی گلیوں اور بازاروں میں لڑنے کا خیال چھوڑ کر باہر قلعے کی جنوب مغرب کی طرف ان بلند ٹیلوں پر قبضہ کر لیا جہاں سے انگریز پر کامیابی کے ساتھ گولہ باری کی جا سکتی تھی۔ لارڈ کارنوالس اپنی تمام طاقت قلعے کی طرف مرکوز کر چکا تھا۔ لیکن پندرہ دن کے پے در پے کوششوں کے بعد ابھی اسے کوئی کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ اس کی توپوں نے مسلسل گولہ باری کے بعد قلعے کی فصیل کے ایک حصے میں جو شگاف ڈالا تھا وہ باہر سے اس ٹیلے کی زد میں تھا جہاں سلطان کی توپیں نصب تھیں اور یہ توپیں شگاف کی طرف دھاوا بولنے والی فوج پر کامیابی کے ساتھ گولہ باری کر سکتی تھیں۔

لارڈ کارنوالس اپنی خواہش کے بغیر مدافعانہ جنگ لڑنے پر مجبور ہو چکا تھا۔ اس نے ایک طرف قلعے کا محاصرہ کر رکھا تھا اور دوسری طرف سلطان کی فوج کے ہاتھوں محصور تھا جو ضرورت کے مُطابق ہر وقت اپنی پوزیشن بدل سکتی تھی۔ ایک طرف قلعے کے محافظ اس کی فوجوں پر گولہ باری کر رہے تھے اور دوسری طرف باہر سے سُلطان کا توپ خانہ اُن پر آگ برسا رہا تھا۔ شہر میں چارے کی کمی کے باعث انگریزوں کے گھوڑے اور بیل بھوکے مر رہے تھے اور لارڈ کارنوالس کے لیے یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ چند دن بعد اس کی بہترین سوار فوج گھوڑوں سے محروم ہو جائے گی اور منگلور سے کسی دوسرے محاذ کا رُخ کرتے وقت اسے اپنے سامان کی

گاڑیاں یہیں چھوڑنی پڑیں گی۔لیکن جہاں جنگی قابلیت اور مردانگی جواب دے چکی تھی وہاں عیاری کام آئی۔جہاں قلعے کے مٹھی بھر محافظ آخری فتح کی اُمید پر پوری جرات کے ساتھ ڈٹے ہوئے تھے وہاں چند غداروں نے دشمن کی کامیابی کا راستہ کھول دیا۔ان غداروں کا سرغنہ کرشن راؤ تھا۔

حملے سے پہلے انگریزوں کو کرشن راؤ کی طرف سے ہدایات موصول ہو چکی تھیں کہ تم فلاں رات فلاں وقت قلعے کی فصیل کے فلاں حصے پر حملہ کرو تو مجھے اپنے استقبال کے لیے موجود پاؤ گے۔پہرے داروں کو وہاں سے ہٹا دیا جائے گا۔ کارنوالس نے اس کی ہدایات پرعمل کیا قلعے کے محافظ کو اس غداری کا اس وقت پتہ لگا جب آدھی رات کے وقت انگریزی فوج کے چند دستے قلعے میں داخل ہو چکے تھے۔ بہادر خان اور اس کے ساتھ ایک ہزار جانباز لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔تین سو مجاہد جن میں سے بیشتر زخمی تھے قید کر لیے گئے اور باقی بچ کر نکل گئے انگریزوں نے اس فتح کی جو قیمت ادا کی وہ بھی کم نہ تھی۔ٹیپو کو جب اس غداری کا علم ہوا تو اس نے فوراً دو ہزار سپاہی قلعے کے محافظین کی مدد کے لیے روانہ کیے۔لیکن اس عرصہ میں قلعے پر انگریزوں کا مکمل قبضہ ہو چکا تھا۔

منگلور کا انگریزوں کے ہاتھ میں چلے جانا سُلطان کے لیے نا قابلِ تلافی تھا لیکن اس سے بڑا نقصان بہادر خان کی موت تھی۔بُرہان الدین کے بعد وہ سلطان کی فوج کا سب سے زیادہ قابلِ اعتماد و روفادار افسر تھا۔یہ بلند قامت اور درویش خصلت انسان ستر سال کی عمر میں بھی اس قدر تندرست اور توانا تھا کہ جوانوں کو اس پر رشک آتا تھا۔ اس کے رُعب وجلال کو یہ عالم تھا کہ لارڈ کارنوالس جیسا انسانیت دشمن شخص بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔چنانچہ اس نے سلطان کو یہ پیغام بھیجا کہ اگر

آپ چاہیں تو میں بہادر خان کی لاش آپ کے پاس بھیجنے کے لیے تیار ہوں۔ سلطان نے جواب دیا آپ کی یہ پیش کش قابلِ تعریف ہے۔ اگر آپ بہادر خاں کی لاش منگلور کے مسلمانوں کے حوالہ کر دیں تو وہ اُسے پوری عزت اور احترام کے ساتھ دفن کر دیں گے۔

منگلور کی فتح کے لیے لارڈ کارنوالس کو جو قیمت ادا کرنی پڑی وہ اس کی توقع سے زیادہ تھی۔ پھر اس کامیابی نے انگریزی فوج کے مستقبل کے متعلق چند ایسے خطرات پیدا کر دیے تھے جو منگلور کی طرف پیش قدمی کرتے وقت اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھے۔ منگلور سے باہر اس کی رسد اور کمک کے تمام راستے کٹ چکے تھے اور رسد اور چارے کی بڑھتی ہوئی قلت کے باعث اس کے لیے ایک طویل محاصرے کا سامنا ممکن نہ تھا لیکن شمال کی طرف مرہٹوں کے حملوں کی شدت اور میر نظام کے پندرہ ہزار سواروں کی پیش قدمی نے سلطان ٹیپو کو منگلور کا محاصرہ اٹھانے پر مجبور کر دیا۔

کرشن راؤ بھی انہی لوگوں کے ساتھ قلعہ سے نکل چکا تھا۔ لیکن وہ سلطان کے پاس جانے کی بجائے سرنگا پٹم پہنچ گیا۔ اسی اثنا میں منگلور سے کسی افسر کا خط پکڑا گیا جس سے یہ بات ثابت ہوتی تھی کہ کرشن راؤ کو سرنگا پٹم میں بھی سلطان کے خلاف کسی سازش کا جال بچھانے کی مہم پر مامور کیا گیا ہے۔ سلطان نے میر معین الدین عرف سید صاحب کو اس کے پیچھے روانہ کیا اور اس نے کرشن راؤ اور اسکے تین بھائیون کو سازش میں حصہ لینے کا ثبوت فراہم ہونے کے بعد موت کے گھاٹ اتار دیا۔

پندرھواں باب

بدرالزمان خاں دھاڑواڑ میں ڈٹا ہوا تھا۔ شہر کی آبادی مرہٹوں کی آمد سے پہلے ہجرت کر چکی تھی۔ مرہٹہ لشکر کا مستقر جنوب مغرب کی طرف پانچ میل کے فاصلے پر تھا۔ وہ ہر روز پڑاؤ سے چند توپیں کھینچ کر شہر کے آس پاس کے ٹیلوں پر لے آتے اور شام تک گولہ باری جاری رکھتے۔ رات کے وقت وہ شہر سے میسور کے سواروں کا خطرہ محسوس کر کے اپنی توپیں دوبارہ پڑاؤ میں لے جاتے۔ لیکن چند ہفتے بعد کمپنی کی فوج کے چند دستے ان کی مدد کے لیے پہنچ گئے اور جنگ میں تیزی آ گئی۔ مرہٹوں اور انگریزوں کی طرف سے گولہ باری کی بڑھتی ہوئی شدت کے جواب میں شہر کے محافظوں نے بھی جوابی حملے شروع کر دیے۔ میسور کے سوار صبح شام کسی وقت اچانک شہر سے نکلتے اور آن کی آن میں دشمن کو شدید نقصان پہنچنے کے بعد واپس چلے جاتے۔

بالآخر ایک دن مرہٹوں نے ایک گھمسان کی جنگ کے بعد شہر پر قبضہ کر لیا اور شہر کے محافظ قلعے میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ لیکن اگلے دن بدرالزمان نے اچانک قلعے سے نکل کر جوابی حملہ کیا اور مرہٹے دھاڑواڑ کی گلیوں اور بازاروں میں لاشوں کے انبار چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ پانچ دن بعد مرہٹوں نے پوری قوت کے ساتھ ایک اور حملہ کیا اور دوبارہ شہر پر قابض ہو گئے۔ لیکن قلعے سے شدید گولہ باری کے باعث انہیں شہر کے قریب قدم جمانے کا موقع نہ ملا۔ چنانچہ وہ شہر کی فصیل کو بارود سے اُڑانے اور مکانات میں آگ لگانے کے بعد دوبارہ اپنے پڑاؤ میں آ گئے۔ اس کے بعد قلعے کی ناکہ بندی شروع ہوئی۔ لیکن مرہٹے جس بد دلی کا مظاہرہ کر رہے تھے وہ انگریزوں کے لیے بہت پریشان کن تھی۔

جنوب میں لارڈ کارنوالس کی افواج کو خطرے سے بچانے کی یہی ایک صورت تھی کہ مرہٹوں اور نظام کی افواج کسی تاخیر کے بغیر سرنگا پٹم کا رُخ کریں۔ لیکن مرہٹے دھاڑواڑ کے قلعے کو اپنی شاہ رگ پر ایک خنجر سمجھتے تھے اور وہ اُسے فتح کیے بغیر کسی اور محاذ پر توجہ دینے کے لیے تیار نہ تھے۔

پھر جب بمبئی سے انگریزوں کا ایک اور دستہ بھاری توپوں اور بارود کا ایک معقول ذخیرہ لے کر مرہٹوں کی اعانت کے لیے پہنچ گیا اور انہوں نے پُوری شدت کے ساتھ قلعے پر گولہ باری شروع کر دی تو اس عرصہ میں بدرالزماں کے سپاہیوں کی حالت نازک ہو چکی تھی۔ رسد اور بارود کے ذخیرے ختم ہو چکے تھے۔ اور قلعے کا پانی صرف چند دن کے ضرورت کے لیے کافی تھا۔

انگریزی دستے کا ایک لیفٹیننٹ مور مرہٹوں کی اس جنگ کے چشم دید حالات بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ جب کسی ایک توپ میں بارُود ڈالا جاتا ہے توپ خانے کا سارا عملہ قریباً آدھ گھنٹے آرام سے بیٹھ کر تمباکو نوشی کرتا ہے۔ پھر توپ چلاتے وقت یہ بھی نہیں دیکھا جاتا کہ اس کا نشانہ کہاں لگے گا۔ اگر خاصی مقدار میں گرد اُڑے تو وہ مطمئن ہو جاتے ہیں۔ پھر جب دوبارہ بارود ڈالا جاتا ہے تو اسی طرح تمباکو نوشی اور گپ بازی شروع ہو جاتی ہے۔ دوپہر کے دو گھنٹے کھانے اور آرام کے لیے وقف ہوتے ہیں اور جنگ بند رہتی ہے۔ یہ توپیں اتنی پُرانی اور ناقص ہیں کہ بسا اوقات چلتے وقت پھٹ جاتی ہیں۔ ایک اور مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ شام ہوتے ہی مرہٹے اپنی توپیں دھکیل کر واپس پڑاؤ میں لے جاتے ہیں اور دشمن کو رات کے وقت اطمینان سے فصیل کی مرمت کا موقع مل جاتا ہے۔ بارود کی سخت کمی ہے اور پونا سے اس کی سپلائی اتنی قلیل اور بے قاعدہ ہے کہ یہ توپیں کئی دن خاموش رہتی

ہیں۔

ایک رات قلعے کے جنوب مشرقی کونے کے ایک بُرج کے قریب یکے بعد دیگرے دو چھوٹے چھوٹے پتھر گرے اور پہریدار بندوقیں سنبھال کر باہر کی طرف جھانکنے لگے۔

تاریکی میں انہیں کسی کی آواز سنائی دی۔ میں ڈھونڈیا داغ ہوں جلدی سے سیڑھی پھینکو۔

تم کہاں سے آئے ہو؟

بے وقوفو مجھے بادشاہ نے بھیجا ہے۔ جلدی سے سیڑھی پھینکو ورنہ میں اوپر پہنچتے ہی تم سب کو گلا گھونٹ ڈالوں گا۔

ٹھہرو ہم اپنے جمعدار کو اطلاع دیتے ہیں۔

کوئی دس منٹ بعد جمعدار کے علاوہ فوج کے چند اور افسر وہاں پہنچ چکے تھے اور ڈھونڈیا داغ رسی کی سیڑھی کے ساتھ فصیل پر چڑھ رہا تھا۔

بدرالزماں خاں کہاں ہیں؟ اس نے فصیل پر پہنچتے ہی سوال کیا۔

وہ آرہے ہیں۔ ایک افسر نے جواب دیا۔

میں ان کا انتظار نہیں کرسکتا۔ چلو مجھے ان کے پاس لے چلو، مجھے اسی وقت واپس جانا ہے۔

تمہیں انتظار کرنے کی ضرورت نہیں۔ کسی نے بُرج کی طرف سے نمودار ہو کر کہا۔

ڈھونڈیا داغ نے کہا۔ آپ بدرالزماں خاں ہیں؟

کہو کیا پیغام لائے ہو۔

جناب کل رات پچھلے پہر انور علی پانچ سو سپاہیوں اور رسد اور بارود کی ڈیڑھ سو گاڑیوں کے ساتھ یہاں پہنچ جائے گا۔ میں قلعے سے باہر دشمن کے تمام مورچوں کا جائزہ لے چکا ہوں۔ مرہٹے کافی دور ہیں اور ہمیں ان سے کوئی خطرہ نہیں۔ لیکن انگریزوں کے مورچے بہت قریب ہیں اور کمک کا راستہ صاف کرنے کے لیے انہیں پیچھے ہٹانا ضروری ہے۔ آپ کل سارا دن دشمن پر شدید گولہ باری کرتے رہیں تا کہ اس کی توجہ کسی اور طرف مبذول نہ ہو۔ اس کے بعد رات کے ٹھیک دو بجے آپ اس پر حملہ کر دیں۔ ہم مشرقی دروازے سے داخل ہوں گے اور ہمارے سوار دشمن کو آس پاس کے مورچوں سے پیچھے ہٹانے کے لیے آپ کا ساتھ دیں گے۔ اب مجھے اجازت دیجیے۔ مجھے اپنے ساتھیوں کی رہنمائی کے لیے واپس پہنچنا ہے۔

بدر الزمان نے کہا۔ سلطان معظم دھاڑواڑ کے حالات سے بے خبر نہیں ہیں۔ لیکن میں حیران ہوں کہ انہوں نے صرف پانچ سو سپاہی بھیجے ہیں۔ اس قلعے کو بچانے کے لیے مجھے کم از کم دس ہزار سپاہیوں کی ضرورت ہے۔

ڈھونڈیا واغ نے جواب دیا۔ یہ بات سلطان سے زیادہ کوئی نہیں جانتا کہ اس جنگ میں کسی جگہ کتنے آدمیوں کی ضرورت ہے۔ انور علی آپ کو بتا دے گا کہ اس محاذ پر زیادہ فوج نہ بھیجنے کی وجوہات کیا ہیں۔ میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ سر دست آپ کو مزید کمک کی توقع نہیں رکھنی چاہیے اور سلطان معظم یہ چاہتے ہیں کہ آپ زیادہ سے زیادہ عرصہ دشمن کو اس محاذ پر مصروف رکھیں۔ مجھے یقین ہے کہ دوبارہ ملاقات پر ہم اس کے متعلق زیادہ اطمینان سے باتیں کر سکیں گے۔ اب مجھے اجازت دیجیے۔

بدر الزمان نے خدا حافظ کہہ کر اس کی طرف ہاتھ بڑھا دیا اور ڈھونڈیا واغ مصافحہ کرنے کے بعد رسی کی سیڑھی کے ساتھ لٹک گیا۔

اگلی رات ایک پہرے دار نے مرہٹہ فوج کے سپہ سالار پرس رام بھاؤ کو گہری نیند سے بیدار کیا اور کہا۔ سرکار ایک انگریز افسر خیمے کے باہر کھڑا ہے اور وہ اسی وقت آپ سے ملنا چاہتا ہے وہ کہتا ہے کہ دشمن نے حملہ کر دیا ہے۔

بھاؤ آنکھیں ملتا ہوا خیمہ سے باہر نکلا۔ ایک افسر گھوڑے کی باگ تھامے کھڑا تھا اور مرہٹہ سپاہی جوق در جوق اس کے گرد جمع ہو رہے تھے۔

انگریز افسر نے کسی تمہید کے بغیر کہا۔ دشمن نے قلعے سے باہر نکل کر ہمارے کیمپ پر حملہ کر دیا ہے۔ آپ کی فوج کے جو دستے ہمارے ساتھ تھے وہ بھاگ گئے ہیں اور ہم پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔

"تمہیں چوکس رہنا چاہیے تھا۔ میں نے تمہارے کرنل کو یہ مشورہ دیا تھا کہ رات کے وقت قلعے کے قریب رہنا خطرناک ہے۔ لیکن تم کب کسی کی سنتے ہو!"

جب آپ کو صورت حال کا پتہ چلے گا تو آپ کو ماننا پڑے گا کہ ہمارا فیصلہ صحیح تھا۔ آپ کی غلطی کی وجہ سے ہم دشمن کی ناکہ بندی میں کامیاب نہیں ہوئے اور وہ رسد اور بارود لا تعداد گاڑیاں لانے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ لیکن کرنل صاحب یہ کہتے ہیں کہ اگر آپ اب بھی فوراً حملہ کر دیں تو ہم بہت سی گاڑیاں قلعے میں داخل ہونے سے روک سکتے ہیں۔

ایک ثانیہ کے لیے بھاؤ ایک سکتے کی حالت میں کھڑا رہا۔

انگریز افسر نے کہا۔ جناب اب سوچنے کا وقت نہیں۔ جو فوج آپ نے دشمن کی رسد اور کمک کے راستوں کی دیکھ بھال کے لیے متعین کی تھی وہ انتہائی ناکارہ ثابت ہوئی ہے لیکن ابھی اگر آپ جلدی کریں تو بہت حد تک اس کوتاہی کی تلافی ہو سکتی ہے۔

تمہیں اس بات کا علم ہے کہ جو فوج رسد کی گاڑیوں کے ساتھ آئی ہے۔اس کی تعداد کتنی ہے؟

جناب رات کے وقت یہ اندازہ کیسے لگایا جا سکتا ہے۔لیکن اُن کی تعداد زیادہ نہیں ہو سکتی آپ جلدی کریں۔

میں ٹیپو جیسے دشمن کے معاملے میں جلد بازی کا قائل نہیں ہوں۔تم اپنے دستے یہاں لے آؤ اور اپنے کرنال صاحب سے کہو کہ ہم صبح سے پہلے کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔

صبح کے وقت پرس رام بھاؤ کے خیمے میں چند انگریز اور مرہٹہ افسر جمع تھے۔ کرنل فریڈرک انتہائی غصے کی حالت میں پرس رام بھاؤ سے مخاطب ہو کر کہہ رہا تھا۔ آپ کے سپاہی جنگ کو مذاق سمجھتے ہیں۔ اگر کمپنی کے سپاہی اس قدر غیر ذمہ داری کا ثبوت دیتے تو ہم انہیں گولیوں سے اڑا دیتے۔ یہ کتنے شرم اور افسوس کی بات ہے کہ دشمن کی رسد اور بارود کی گاڑیاں دھاڑواڑ کے قریب پہنچ چکی تھیں اور راستے میں آپ کی چوکیوں کے محافظ بے خبر تھے!

پرس رام نے جھنجھلا کر کہا۔دیکھیے کرنل صاحب اب بحث سے کوئی فائدہ نہیں جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ لیکن اگر آپ کو یہ دعویٰ ہے کہ آپ ہم سے زیادہ باخبر تھے تو آپ کے پاس اس بات کا کیا جواب ہے کہ دشمن کی گاڑیاں آپ کے مورچوں کے سامنے سے گزر کر قلعے میں داخل ہوئیں اور پھر بھی آپ ہمیں یہ نہیں بتا سکتے کہ ان کی صحیح تعداد کیا تھی۔

آپ کو معلوم ہے کہ رات کے وقت دشمن کا اچانک حملہ اس قدر شدید تھا کہ ہمیں مجبوراً قلعے کے آس پاس اپنے مورچے خالی کرنے پڑے لیکن اگر آپ ہماری

مدد کو پہنچ جاتے تو ہم انکی بیشتر گاڑیاں قلعے میں داخل ہونے سے روک سکتے تھے۔

پرس رام نے قدرے نرم ہو کر کہا۔ کرنل صاحب اب آپس میں جھگڑنے سے کوئی فائدہ نہیں میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ راستے کی چوکیوں کے محافظوں کو سخت سزا دی جائے گی۔ لیکن اس وقت ہمارے سامنے قلعہ فتح کرنے کا مسئلہ ہے۔

کرنل فریڈرک نے کہا جناب موجودہ حالات میں یہ قلعہ فتح کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں آپ کو یہ مشورہ دینے آیا ہوں کہ اب ہمیں کسی توقف کے بغیر جنوب کی طرف کوچ کر دینا چاہیے۔ اگر دشمن کے چند سپاہی اس قلعے میں پڑے رہیں تو ہمارے لیے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہم جنوب میں دشمن کی طاقت کچلنے کے بعد کسی مزاحمت کا سامنا کیے بغیر واپس آ کر قلعہ فتح کر سکیں گے۔ لیکن اگر آپ یہاں بیٹھے رہے تو ہمارے جنگی منصوبے خاک میں مل جائیں گے۔ ہمارے دشمن کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ ساری قوت مختلف محاذوں پر بٹی رہے اور ہم کسی ایک میدان میں جمع ہو کر اس پر فیصلہ کن ضرب نہ لگا سکیں۔

پرسرا بھاؤ نے کہا۔ ہمارے لیے یہ قلعہ فتح کیے بغیر آگے بڑھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ دھاڑواڑ کو اس حالت میں چھوڑ کر آگے بڑھنے کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ بدرالزمان کو عقب سے ہمارے رسد اور کمک کے راستے کاٹنے کا موقع مل جائے۔ مجھے جنرل میڈوز کی مشکلات کا احساس ہے لیکن ہمیں پیشوا اور نانا فرنویس کا حکم ہے کہ ہم آگے بڑھنے سے پہلے یہ اچھی طرح دیکھ لیں کہ ہمارا عقب کس حد تک محفوظ ہے، اگر آپ ہمت سے کام لیں تو ہم چند دنوں میں قلعہ فتح کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد مجھے آپ کی ہدایات پر عمل کرنے میں کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔

کرنل فریڈرک نے کہا۔ اگر آپ کا یہی فیصلہ ہے تو میں آپ سے تعاون کرنے کے لیے تیار ہوں لیکن اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ اب آپ کے سپاہی چوکس رہیں گے اور دشمن کو مزید کمک بھیجنے کا موقع نہیں ملے گا۔

میں اس بات کا ذمہ لیتا ہوں کہ اب دشمن کا ایک سپاہی بھی اس علاقے میں داخل نہیں ہو سکے گا۔

یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ دشمن کس راستے سے یہاں پہنچا ہے اور آپ کی محافظ چوکیوں کے سپاہی کہاں تھے اگر رسد کی دو چار گاڑیاں ہوتیں تو علیحدہ بات تھی لیکن ہمارا اندازہ ہے کہ رات کے وقت جو گاڑیاں قلعے میں داخل ہوئی ہیں اُن کی تعداد سو سے زیادہ تھی اور ہماری نسبت قلعے کے محافظ اس قدر باخبر تھے کہ انہیں رسد اور کمک کی آمد کے صحیح وقت تک کا علم تھا۔

پرس رام بھاؤ نے کہا۔ کرنل صاحب اب اس مسئلے پر بحث کرنا بے سُود ہے کہ دشمن کس راستے سے یہاں پہنچا ہے۔ میں نے چند ہوشیار آدمیوں کا گاڑیوں کے نشان دیکھنے کے لیے بھیج دیا ہے اور ان کی تحقیقات کے بعد جن چوکیوں کے سپاہی مجرم ثابت ہوں گے انہیں بدترین سزائیں دی جائیں گی۔ میں اس بات کا بھی ذمہ لیتا ہوں کہ آئندہ بدر الزمان کی فوج باہر سے اناج کا ایک دانہ تک حاصل نہیں کر سکے گی۔ اب یہ قلعہ فتح کرنا ہماری عزت کا مسئلہ ہے۔ میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہم آج ہی اپنا پڑاؤ قلعے کے قریب لے جائیں تا کہ آپ کو بار بار یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ ہم جنگ میں سنجیدہ نہیں ہیں۔

دھاڑواڑ کے محاصرے کو چھ ماہ گزر چکے تھے اور قلعے کے محافظ ایک غیر معلولی عزم و استقلال کے ساتھ دشمن کے پے در پے حملوں کا مقابلہ کر رہے تھے۔

انگریزوں اور مرہٹوں کو بمبئی اور پونا سے کسی دقت کے بغیر رسد اور کمک پہنچ رہی تھی لیکن بدرالزمان کو مستقبل قریب میں کسی بیرونی اعانت کی اُمید نہ تھی قلعے کے اندر رسد اور بارود کے گودام بتدریج خالی ہو رہے تھے۔ دشمن کی شدید ناکہ بندی نے اُجڑے ہوئے شہر کے کنوؤں کا تازہ پانی حاصل کرنا ناممکن بنا دیا تھا اور قلعے کے اندر جو تالاب تھے وہ آہستہ آہستہ خالی ہو رہے تھے اور اب نوبت یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ قلعے کے محافظوں کو مٹھی بھر اُبلے چاول یا جوار کی ایک سوکھی روٹی اور پانی کے ایک پیالے پر گزارہ کرنا پڑتا تھا۔ اور انتہائی ضرورت کے بغیر انہیں بارود استعمال کرنے کی اجازت نہ تھی۔ تاہم وہ ڈٹے رہے اور قلعے کے باہر دشمن کی گولہ باری اور قلعے کے اندر بھوک پیاس اور بیماریاں ان جانبازوں کے حوصلے متزلزل نہ کر سکیں جنہوں نے سلطان فتح علی ٹیپو سے زندگی کی آخری آداب سیکھے تھے۔ وہ جن کے چہروں پر زندگی کا خون دوڑتا تھا اب ہڈیوں کے ڈھانچے نظر آتے تھے۔ انور علی جسے چند ہفتے قبل وہ صرف ایک بہادر اور فرض شناس افسر کی حیثیت سے جانتے تھے اب ان کی آنکھوں کا تارا بن چکا تھا۔ بدرالزماں سے لے کر ایک معمولی سپاہی تک اس سے محبت کرتے تھے۔ وہ کبھی مریضوں کی تیمارداری اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتا اور کبھی رات کے وقت قلعے سے باہر نکل کر دشمن کے کیمپ پر حملہ کرنے والے جانبازوں کی کمان سنبھال لیتا۔ وہ قلعے کی مسجد کے منبر پر کھڑا ہو جاتا اور اس کی رُوح پرور تقریروں سے قلعے کی شکستہ دیواروں کے اندر حوصلوں اور ولولوں کی ایک نئی دُنیا آباد ہو جاتی۔ ڈھونڈیا واغ سلطان کی ہدایات کے مطابق انور علی اور اس کے ساتھیوں کو قلعے میں پہنچانے کے بعد دوسرے محاذوں پر دکن اور پونا کی افواج کی نقل و حرکت کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لیے واپس جا چکا تھا۔

لیگرانڈ نے دھاڑواڑ پہنچنے کے بعد چند ہفتے انتہائی جوش وخروش کا مظاہرہ کیا تھا۔لیکن اب اس کی صحت پر مسلسل بھوک پیاس اور بے آرامی کے اثرات ظاہر ہو رہے تھے۔دن بھر لے لیے پانی کی مقدار اب ایک کٹورے کی بجائے نصف کٹورا کردی گئی تھی۔ایک دن اس نے اُبلے ہوئے چاول کے چند لقمے حلق سے اتارنے کے بعد اپنے حصے کا پانی پیا۔لیکن اس کی تشنگی دُور نہ ہوئی۔ خالی کٹورا نیچے رکھتے وقت اُسے اس بات کا احساس ہوا کہ ابھی پانی کی چند بوندیں باقی رہ گئی ہیں چنانچہ اس نے دوبارہ کٹورا اٹھا کر منہ سے لگالیا۔انورعلی اس سے چند قدم دور بیٹھا تھا۔وہ اپنا کٹورا اُٹھا کر جلدی سے آگے بڑھا اور مُسکراتا ہوا لیگرانڈ کے قریب بیٹھ گیا۔جب لیگرانڈ نے پانی کا آخری قطرہ حلق میں اُنڈیلنے کے بعد کٹورا نیچے رکھ دیا تو انور علی نے اپنے حصے کے چند گھونٹ اس میں ڈال دیے۔لیگرانڈ نے اس کی طرف دیکھا اور پریشان سا ہو کر بولا۔ میرے دوست میں اپنے حصے کا پانی پی چکا ہوں اور آپ کے ہونٹ مجھ سے زیادہ خشک ہیں مجھے شرمندہ نہ کیجیے۔

انورعلی نے اپنا کٹورا اس کی آنکھوں کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔میرے لیے یہ دو گھونٹ کافی ہیں اور تمہیں اس وقت زیادہ پانی کی ضرورت ہے۔

لیگرانڈ نے کہا آج میری طبیعت ٹھیک نہیں شاید مجھے بخار ہو رہا ہے۔

تم یہ پانی پی کر لیٹ جاؤ میں ابھی طبیب کو بُلاتا ہوں۔

لیگرانڈ نے تشکر اور احسان مندی کے جذبات سے مغلوب ہو کر انورعلی کی طرف دیکھا اور چند ثانیے تذبذب کے بعد کٹورا اُٹھالیا۔

دُوسرے محاذوں پر اتحادی فوج نے اپنے لامحدود جنگی وسائل کے باوجود کوئی قابلِ ذکر کامیابی حاصل نہیں کی تھی۔ جنوب کی طرف میر نظام علی کے لشکر کی پیش

قدمی نے سلطان ٹیپو کو منگلور کا محاصرہ اُٹھا کر پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا تھا اور وہ سرنگا پٹم کی طرف دشمن کی متوقع یلغار کے پیش نظر تمام راستوں کی چوکیوں اور قلعوں کو مضبوط کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لارڈ کارنوالس کو میسور کی سرزمین کے ایک ایک انچ پر شدید مزاحمت کی توقع تھی اور وہ اپنے ساتھ مرہٹہ لشکر کو شامل کیے بغیر آگے بڑھنا خطرناک سمجھتا تھا لیکن پرس رام بھاؤ کا لشکر دھاڑواڑ میں پھنسا ہوا تھا۔ اور دوسرا مرہٹہ لشکر جس نے ہری پنت کی قیادت میں کرنول کی طرف پیش قدمی کی تھی قدم قدم پر شدید مزاحمت کا سامنا کر رہا تھا۔ ان کے متعلق ایک دن یہ خبر آتی کہ انہوں نے فلاں چوکی، فلاں شہر یا فلاں قلعے پر قبضہ کر لیا ہے تو اگلے دن یہ خبر سُنی جاتی کہ میسور کی فوج نے انہیں فلاں مقام پر شکست دے کر اتنے کوس پیچھے دھکیل دیا ہے۔

یہ صورت حالات لارڈ کارنوالس کے لیے غیر متوقع تھی تاہم وہ زیادہ پریشان نہ تھا۔ میر نظام علی اور مرہٹوں کے متعلق اس کا یہ خدشہ ہو چکا تھا کہ وہ کسی وقت بھی میدان میں تنہا چھوڑ کر جنگ سے کنارہ کش ہو جائیں گے۔ دکن کا لشکر اس کے ساتھ مل ہو چکا تھا اور مرہٹوں کے متعلق بھی اسے یہ یقین تھا کہ دھاڑواڑ کے محاذ سے فارغ ہوتے ہی پرس رام کی افواج ہری پنت کے لشکر سے آملیں گی۔ اور پھر یہ ٹڈی دل لشکر سرنگا پٹم کی طرف یلغار کر دے گا۔

لارڈ کارنوالس کو فیصلہ کن جنگ کے لیے سلطان ٹیپو کی تیاریوں کا علم تھا لیکن اسے یہ بھی احساس تھا کہ موجودہ حالات میں جنگ کا طول کھینچنا اس کے لیے جس قدر نقصان دہ ہو سکتا ہے اس سے کہیں زیادہ سُلطان ٹیپو کے لیے نقصان دہ ہو سکتا ہے۔ میسور کی نسبت وہ بجا طور پر اپنے اور اپنے اتحادیوں کے وسائل کی برتری پر فخر

کر سکتا تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کا بحری بیڑا بمبئی اور کلکتہ سے مشرق اور مغرب کے ساحلوں کی بندرگاہوں پر تازہ دم افواج اور جنگی سامان اتارنے میں مصروف تھا اور اس کے حلیف پونا اور حیدرآباد سے ایک لامحدود عرصہ کے لیے توپوں کا چارہ مہیا کر سکتے تھے۔

ان تمام باتوں کے باوجود جب وہ جنگ کے آنے والے دور کے متعلق سوچتا تو کبھی اس قسم کے سوالات اسے پریشان کرنے لگتے۔ ٹیپو اس وقت کیا سوچ رہا ہو گا؟ وہ کہاں حملہ کرے گا؟ وہ اتنا نادان نہیں کہ اُسے ہمارے جنگی وسائل کا علم نہ ہو۔ پھر وہ کس اُمید پر لڑ رہا ہے؟ ابھی تک اس کے حوصلے پست کیوں نہیں ہوئے؟

پھر جب اُسے اچانک کسی دن یہ اطلاع ملتی کہ میسور کے طوفانی دستوں نے کسی مقام پر حملہ کر کے ایسٹ انڈیا کمپنی، نظام یا مرہٹوں کے اتنے سپاہی ہلاک کر دیے ہیں اور رسد اور بارود کی اتنی گاڑیاں چھین لی ہیں تو اُسے یہ احساس ہونے لگتا کہ تیز ہوا کے یہ اکا دکا جھونکے کسی بڑے طوفان کا پیش خیمہ ہیں۔

لیگر انڈ چند دن سے بیماروں اور زخمیوں کے ساتھ قلعے کے ایک کشادہ کمرے میں پڑا ہوا تھا۔ ایک دوپہر انور علی کمرے میں داخل ہوا اور اس نے لیگر انڈ کی نبض پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ آج آپ کی حالت بہتر معلوم ہوتی ہے!

ہاں میں محسوس کرتا ہوں کہ میرا بخار اُتر رہا ہے۔ لیکن آج کیا بات ہے مجھے چند گھنٹوں سے دشمن کی توپوں کی آواز سنائی نہیں دیتی۔ کیا ہو سکتا ہے کہ کل کے حملے میں شدید نقصان اٹھانے کے بعد انہوں نے اس محاذ سے منہ پھیر لیا ہو۔ میں کئی آدمیوں سے پوچھ چکا ہوں لیکن کسی نے مجھے تسلی بخش جواب نہیں دیا۔

انور علی نے اپنی پیشانی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے تھکی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

نہیں یہ بات نہیں۔ دشمن کو ہمارے حالات کا بخوبی علم ہے اور اُسے اس بات کا یقین ہو چکا ہے کہ وہ مزید نقصانات اٹھائے بغیر ہمیں ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر سکتا ہے۔ آج علی الصباح انہوں نے ہمارے کمانڈر کے پاس اپنے ایلچی بھیجے تھے اور بدر الزمان خاں بعض شرائط پر قلعہ خالی کرنے پر آمادہ ہو گئے ہیں اور انہوں نے مزید گفتگو کے لیے چار افسر پرس رام بھاؤ کے ایلچیوں کے ساتھ روانہ کر دیے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ صبح سے دشمن کا توپ خانہ خاموش ہے۔

لیگرانڈ نے مغموم لہجے میں کہا۔ میرا خیال تھا کہ قلعہ کے کمانڈنٹ آپ کے مشورہ پر عمل کریں گے۔

انور علی نے جواب دیا۔ مجھے ان سے کوئی شکایت نہیں۔ اس سے قبل دشمن دو بار جنگ بند کرنے کی پیش کش کر چکا ہے اور بدر الزمان صرف میری مخالفت کے باعث قلعہ خالی کرنے کے متعلق اُن کی شرائط ٹھکرا چکے ہیں۔ لیکن اب حالات ایسے ہیں کہ اُن کے فیصلے پر اثر انداز نہیں ہو سکتا۔

ایک سپاہی کمرے میں داخل ہوا اور اُس نے انور علی کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ آپ کو قلعہ دار صاحب بُلاتے ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا وفد واپس آ گیا ہے۔ یہ کہہ کر انور علی اور تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔ دو منٹ بعد وہ بدر الزمان کے کمرے میں داخل ہوا۔ کمرے میں چند افسر کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ بدر الزمان کے سامنے ایک چھوٹی سی میز پر ایک کاغذ پڑا ہوا تھا۔ انور علی نے اس کے ہاتھ کا اشارہ پا کر اُس کے سامنے ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

بدر الزمان نے میز سے کاغذ اُٹھا کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ لیجیے یہ

پڑھ لیجیے۔ آپ کے خدشات بالکل بے بنیاد تھے۔ پرس رام بھاؤ نے میری تمام شرائط مان لی ہیں۔ ہمیں قلعہ چھوڑتے وقت اپنا اسلحہ اور تمام سرکاری روپیہ ساتھ لے جانے کی اجازت ہوگی اور جب تک ہم دریا کے پار نہیں پہنچ جاتے پرس رام بھاؤ کے خاص دستے ہماری حفاظت کریں گے۔ دشمن کو اس بات پر اصرار ہے کہ ہم سات توپوں سے زیادہ اس قلعے سے باہر نہیں نکال سکتے لیکن ہمارے لیے یہ سودا مہنگا نہیں ہماری بیشتر توپیں ناکارہ ہو چکی ہیں۔

انور علی معاہدے کی تحریر پڑھنے کے بعد بدرالزمان کی طرف متوجہ ہوا اور بولا۔ موجودہ حالات میں آپ اس سے بہتر شرائط نہیں منوا سکتے تھے۔ لیکن اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ انگریز اور مرہٹے ان شرائط کو پورا کریں گے اور جو دستے ہماری حفاظت کے لیے متعین کیے جائیں گے انہیں یہ ہدایت نہیں ہوگی کہ وہ قلعے سے باہر موقع پاتے ہی ہم پر ٹوٹ پڑیں۔

بدالزمان نے جواب دیا۔ اس بات کی کوئی ضمانت نہیں لیکن موجودہ حالات میں ہمارے لیے دشمن کی شرافت اور نیک نیتی پر اعتماد کرنا ایک مجبوری ہے۔ تم جانتے ہو کہ یہ معاہدہ میں نے اپنی جان بچانے کے لیے نہیں کیا۔ میرے سامنے ان انسانوں کا مسئلہ ہے جنہیں قلعے کے اندر اب موت کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ ہماری رسد ختم ہو چکی ہے تالاب جن میں ہم نے گذشتہ بارش سے کچھ پانی جمع کیا تھا پھر خشک ہو رہے ہیں۔ میرے دس ہزار سپاہیوں کی تعداد اب تین ہزار تک پہنچ چکی ہے اور رسد اور پانی کا ذخیرہ ہمارے پاس موجود ہے وہ پانچ چھ دن سے زیادہ ان آدمیوں کو زندہ نہیں رکھ سکتا۔ قلعے سے باہر نکلنے کی صورت میں اگر دشمن نے بدعہدی کی تو بھی اس بات کا امکان ہے کہ کچھ آدمی زندہ بچ کر نکل جائیں۔ لیکن چند دن

بعد قلعے کے اندر لاشوں کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ مجھے یقین ہے کہ سلطان معظم مجھے یہ نہیں کہیں گے کہ میں نے ان کی حکم عدولی کی ہے اور آپ میں سے بھی کوئی مجھے بے غیرتی یا بزدلی کا طعنہ نہیں دے سکتا۔ میں دشمن کو یہ پیغام بھیج رہا ہوں کہ ہم پانچ دن کے اندر اندر قلعہ خالی کر دیں گے۔ اس معاہدے کی رُو سے ہم قلعہ خالی کرنے تک باہر سے اپنی ضرورت کے مطابق پانی حاصل کر سکیں گے اور ہمیں دشمن کے پڑاؤ سے اناج خریدنے کی بھی اجازت ہوگی۔ آپ کچھ اور کہنا چاہتے ہیں؟

انور علی نے بھرآئی ہوئی آواز میں کہا۔ نہیں، مجھ میں اب کچھ کہنے کی ہمت باقی نہیں رہی۔ میں آپ سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ آپ قلعے سے باہر نکلنے کے بعد مرہٹوں کے متعلق چوکس رہیں۔

بدرالزمان خاں نے جواب دیا۔ قلعے سے باہر نکلنے کے بعد اگر کوئی خطرہ پیش آیا تو کسی سپاہی یا افسر کو یہ توقع نہیں رکھنی چاہیے کہ میں اس کی کوئی مدد کرسکوں گا۔ ہمارا یہ فرض ہوگا کہ ہم اپنی اپنی جانیں بچانے کی کوشش کریں۔ میں نے دشمن سے پانچ دن کی مہلت اس لیے مانگی ہے کہ پیاس اور فاقہ کشی کے باعث میرے ساتھی نڈھال ہو چکے ہیں اور میں یہ چاہتا ہوں کہ قلعہ خالی کرنے سے پہلے وہ چلنے پھرنے کے قابل ہو جائیں۔

انور علی نے دوبارہ کاغذ پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ لیکن اس معاہدے کے مطابق تو آپ کو کل ہی قلعے سے باہر نکلنا پڑے گا۔

ہاں بھاؤ کو اس بات پر اصرار ہے کہ میں نیک نیتی کا ثبوت دینے کے لیے کل ہی اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دوں۔ میں اپنے ساتھ صرف چند آدمی لے جاؤں گا اور میری غیر حاضری میں فوج کی کمان آپ کے سپرد ہوگی۔ اگر دشمن نے میرے

ساتھ بد عہدی نہ کی تو تمہیں اطلاع مل جائے گی اور میرے طرف سے کوئی اطلاع نہ آنے کا مطلب یہ ہوگا کہ میں دشمن کی قید میں ہوں یا قتل ہو چکا ہوں۔ پھر یہ سوچنا آپ کا کام ہوگا کہ آپ کو کا ے راستہ اختیار کرنا چاہیے۔

اگلے دن مرہٹہ فوج کے چند افسر قلعے سے باہر کھڑے تھے۔ بدرالزمان پچاس آدمیوں کے ساتھ قلعے سے باہر نکلا۔ ایک افسر نے آگے بڑھ کر اسے سلام کیا اور کہا۔ مہاراج بھائی صاحب نے آپ کے لیے پالکی بھیجی ہے۔

بدرالزمان پیدل چلنا چاہتا تھا لیکن مرہٹہ افسر کے اصرار پر وہ پالی پر بیٹھ گیا۔ کہاروں نے پالکی اٹھائی اور یہ قافلہ مرہٹہ کیمپ کی طرف روانہ ہوا۔ مرہٹوں کے پڑاؤ میں داخل ہوتے ہی سینکڑوں آدمی انتہائی جوش وخروش کی حالت میں نعرے لگاتے اور گالیاں دیتے ہوئے ان کے گرد جمع ہو گئے۔ اور زمین سے مٹی اٹھا اٹھا کر بدر الزمان کی پالکی پر پھینکنے لگے۔ اس اشتعال انگیز ماحول میں میسور کے سپاہیوں کا ضبط وسکون قابلِ دید تھا۔ بعض مرہٹے اُچھلتے کودتے اور ناچتے ہوئے آگے بڑھتے اور اپنی تلواریں ان کی آنکھوں کے سامنے گھمانے لگتے بعض اپنے خنجر ان کی گردنوں پر رکھ دیتے اور بعض اپنی بندوقوں کی نالیاں ان کے سینوں تک لے جاتے۔ اچانک ایک طرف سے چند بندوقیں چلنے کی آواز آئی اور ہجوم اِدھر اُدھر سمٹنے لگا۔ پرس رام بھاؤ فوج کے چند سرداروں اور اپنے محافظ دستے کے ساتھ نمودار ہوا۔ کہاروں نے بدرالزمان کی پالکی نیچے رکھ دی۔ پرس رام نے آگے بڑھ کر کہا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جن لوگوں نے آپ کے ساتھ بد سلوکی کی ہے۔ انہیں بدترین سزائیں دی جائیں گی۔

بدرالزمان خاں اپنی قبا سے گرد جھاڑتا ہوا پالکی سے اترا اور بولا۔ مجھے ان

لوگوں سے کوئی شکایت نہیں۔ میرے ساتھ ان کی نفرت اس بات کا ثبوت ہے کہ میں سلطان کا ایک وفادار سپاہی ہوں۔

لیکن ایک بہادر اور شریف دشمن کے ساتھ اس طرح پیش آنا انتہائی زدالت ہے۔ میں نے آپ کا خیمہ اپنے قریب نصب کروایا ہے اور اب آپ کی حفاظت میرا ذمہ ہوگا۔

شکریہ لیکن مجھے اپنے پاس رکھ کر آپ کو اپنے سپاہیوں پر بہت سی پابندیاں عائد کرنی پڑے گی۔ اس لیے میں یہ چاہتا ہوں کہ مجھے آپ کے پڑاؤ سے کچھ دُور ٹھہرنے کی اجازت دی جائے۔ میرا آپ کے پاس چلے آنا اس امر کی ضمانت ہے کہ میرے ساتھی معاہدے کی شرائط کی خلاف ورزی نہیں کریں گے۔ تاہم آپ کو مجھ پر اعتماد نہ ہو تو میرے ساتھ اپنے چند سپاہی بھیج دیجیے۔

مجھے یہ بات منظور ہے۔

بدرالزماں نے کہا۔ قلعے کے اندر میرے ساتھی بھوکے اور پیاس سے مر رہے ہیں اور آپ نے یہ وعدہ کیا ہے کہ میرے یہاں پہنچتے ہی آپ ان کے لیے رسد اور پانی کا انتظام کر دیں گے۔

پرس رام بھاؤ نے جواب دیا۔ میں اپنے وعدے پر قائم ہوں۔

کچھ دیر بعد بدرالزمان اور اس کے ساتھی مرہٹہ پڑاؤ سے دو میل کے فاصلے پر شموگہ کی طرف جانے والی سڑک کے کنارے ڈیرہ ڈال چکے تھے۔

سولھواں باب

پانچویں دن سہ پہر کے وقت انور علی اور اُس کے باقی ساتھی دھاڑواڑ کا قلعہ خالی کرر ہے تھے۔ سات توپیں اور خزانہ دو دن قبل بدر الزمان کے کیمپ مین پہنچایا جا چکا تھا۔ بیماروں اور زخمیوں کو کھاٹوں پر ڈال کر قلعے سے باہر نکالا گیا۔لیگر انڈ گزشتہ بیمار کے باعث کافی کمزور ہو چکا تھا۔لیکن وہ کھاٹ پر لیٹنے کی بجائے پیدل چلنے پر مصر تھا۔

جب یہ قافلہ قلعے سے باہر نکل کر اپنے کیمپ کی طرف روانہ ہو رہا تھا تو انگریز اور مرہٹہ سپاہیوں کے چند دستے دروازے کے قریب کھڑے تھے۔سواروں کا ایک دستہ قافلے کے ساتھ چل دیا اور باقی مسرت کے نعرے لگاتے ہوئے قلعے کے اندر داخل ہونے لگے کچھ دور چلنے کے بعد انور علی نے مڑ کر دیکھا تو قلعے میں تھوڑی دیر بعد پہلے جس جگہ میسور کا جھنڈا لہرا رہا تھا انگریزوں اور مرہٹوں کے جھنڈے نصب کیے جا رہے تھے۔اس کی نگاہوں کے سامنے آنسوؤں کے پردے حائل ہو گئے اور وہ چند ثانیے بے حس و حرکت کھڑا رہا۔ پھر وہ اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔میرے دوستو اپنی گردنیں اُونچی رکھو۔اگر خدا نے چاہا تو ہم بہت جلد واپس آئیں گے۔

رات کے وقت فوج کے چند افسر بدر الزمان کے خیمے میں بیٹھے ہوئے تھے اور وہ اُن سے کہہ رہا تھا۔ مرہٹوں نے ہمارے ساتھ جنگ کے دوران میں پہلی بار انسانیت کا ثبوت دیا ہے۔

ایک افسر نے ان کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا پرس رام بھاؤ ایک شریف دشمن ہے اور مجھے اس کی طرف سے کسی بدسلوکی کی توقع نہ تھی۔اور پھر کئی افسر کیے

بعد دیگرے پرس رام کے طرزِ عمل کے متعلق اپنے اپنے خیالات کا اظہار کرنے لگے۔ انور علی کچھ دیر خاموش بیٹھا رہا۔ بالآخر اس نے کہا بھاؤ کا سلوک واقعی غیر متوقع ہے لیکن جب تک ہم کسی محفوظ جگہ نہیں پہنچ جاتے مجھے اس کی انسانیت یا شرافت کا یقین نہیں آئے گا۔ مرہٹوں کو ہمارے متعلق اپنے ارادے بدلنے میں دیر نہیں لگے گی۔ اس لیے میں پھر ایک بار آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ ہمیں کسی تاخیر کے بغیر یہاں سے کوچ کر دینا چاہیے۔

بدر الزمان خان نے کہا۔ بھاؤ نے مجھ یقین دلایا ہے کہ ضروری انتظامات کے بعد تین چار دن تک ہمیں یہاں سے روانہ ہونے کی اجازت مل جائے گی۔

انور علی نے کہا۔ اگر یہ گستاخی نہ ہو تو کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ وہ انتظامات کیا ہیں؟

ہم گاڑیوں کے لیے بیل حاصل کیے بغیر اپنا سامان اور اپنے زخمی اور بیمار ساتھیوں کو نہیں لے جا سکتے۔ بھاؤ نے وعدہ کیا ہے کہ ہمیں یہاں سے بیلوں کے علاوہ چند گھوڑے بھی خریدنے کی اجازت ہوگی۔ میں کوشش کروں گا کہ یہ انتظامات کل ہی مکمل ہو جائیں اور ہمیں کسی تاخیر کے بغیر یہاں سے کوچ کرنے کی اجازت مل جائے لیکن بھاؤ نے اگر ہمیں ایک دو دن اور یہاں ٹھہرانے پر اصرار کیا تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ بھاؤ کو یہ اندیشہ تھا کہ راستہ میں مرہٹہ چوکیوں کے سپاہی ہمیں پریشان کریں گے۔ چنانچہ ہمیں دھاڑواڑ کے علاقے سے گزارنے کے لیے اس نے ہمارے ساتھ اپنے سپاہی بھیجنے کا فیصلہ کیا ہے۔

انور علی نے کہا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ بھاؤ کے یہ سپاہی ہمارے لیے راستے کی مرہٹہ چوکیوں کے سپاہیوں کی نسبت زیادہ خطرناک ثابت ہوں گے۔

بدرالزمان نے جواب دیا۔ میں یہ نہیں کہوں گا کہ تمہارے اندیشے بے بنیاد ہیں۔ لیکن ان حالات میں ہم کر ہی کیا سکتے ہیں۔

ایک افسر نے کہا۔ کاش ہم دریا کے آس پاس اپنی چوکیوں کو ان حالات سے باخبر کر سکتے۔ آج ہمیں ڈھونڈیا داغ کی ضرورت تھی۔

بدرالزمان نے کہا۔ موجودہ حالات میں مرہٹوں کی اجازت کے بغیر ہمارے کسی آدمی کا یہاں سے نکلنا ممکن نہیں۔ انہوں نے تمام راستوں کی مکمل ناکہ بندی کر رکھی ہے اور میں یہ خطرہ مول نہیں لے سکتا کہ ہمارا ایلچی یہاں سے نکلتے ہی گرفتار ہو جائے اور مرہٹوں کو ہمیں موت کے گھاٹ اُتارنے کا بہانہ مل جائے۔

انور علی نے کہا۔ اگر ہم دریا تک پہنچ سکیں تو آگے ہمارے لیے کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔

ہماری چوکیاں ہمارے حالات سے بے خبر نہیں ہیں۔ میں انہیں اطلاع بھیج چکا ہوں۔

کب؟ بدرالزمان نے حیران سا ہو کر سوال کیا۔

آپ کے قلعہ خالی کرنے سے اگلی رات میں نے ایک ایلچی بھیج دیا تھا۔

خدا کا شکر ہے کہ تمہارا ایلچی پکڑا نہیں گیا۔

وہ ڈھونڈیا داغ کے انتہائی قابلِ اعتماد ساتھیوں میں سے تھا اور میں نے اس بات کے انتظامات کر لیے تھے کہ وہ پکڑا جائے تو مرہٹے یہ شبہ نہ کریں کہ وہ ہماری مرضی سے فرار ہوا ہے۔ میں نے اسے خزانے سے روپوں کی ایک تھیلی نکال کر دے دی تھی تاکہ اگر ضرورت پڑے تو وہ اپنے آپ کو ایک کامیاب چور ثابت کر سکے۔

اور تمہیں یقین ہے کہ وہ پکڑا نہیں گیا؟

ہاں لیکن اگر وہ پکڑا جاتا تو بھی ہمارے لیے کسی خطرے کا باعث نہیں ہو سکتا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ مرہٹہ پہرے دار اسے گرفتار کر کے پرس رام سے شاباش حاصل کرنے کی بجائے چوری کے مال میں حصہ دار بننا زیادہ سُود مند سمجھیں گے۔

ایک افسر نے کہا۔ لیکن اس سے کیا فائدہ ہو گا جب تک ہم اس علاقے سے باہر نہیں نکلتے ہماری چوکیاں ہماری کیا مدد کر سکتی ہیں؟

انور علی نے جواب دیا۔ میں نے یہ نہیں کہا کہ ہماری چوکیوں کے سپاہی اس علاقے میں ہماری مدد کر سکتے ہیں۔ میں نے صرف یہ سوچا تھا کہ راستے میں مرہٹوں کی نیت خراب ہو جائے تو شاید چند آدمی لڑتے بھڑتے دریا کی طرف نکل جائیں اور وہاں ہمارے سپاہیوں کی بروقت مداخلت سے ان کی جانیں بچ جائیں۔ بھاؤ کے سپاہی اگر ہمیں کسی خاص راستے پر لے جانے کے لیے مصر نہ ہوں تو ہمارے لیے جنگل اور پہاڑ کا راستہ اختیار کرنا بہتر ہو گا۔

---اختتام حصہ اول----------